زیر سر پرستی حضرت ولی عصرؑ عجل اللہ فرجہ الشریف

سہ ماہی

مصباح الہدیٰ

دینی، علمی، سماجی جریدہ

جلد(۶) شمارہ (۱)

محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۳۸ھ

اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۶ء

مدیر اعلیٰ
سیّد منظر صادق زیدی

مدیر
سیّد محمد ثقلین جوراسی

نائب مدیر
سید وقار حیدر اعظمی

قیمت فی شمارہ ۶۰ روپیہ

سالانہ ممبر شپ ۲۰۰ روپیہ

ہدیٰ مشن، شفاعت مارکٹ زہرا کالونی مفتی گنج لکھنؤ-۳، اتر پردیش، انڈیا

Huda Mission
Shafaat Market, Zahra Colony, Muftiganj, Lucknow-3
09415090034, 8726254727, 00989196645165
misbah_al_huda@yahoo.com
misbah.al.huda@gmail.com

سہ ماہی

مصباح الہدیٰ

دینی، علمی، سماجی جریدہ

مجلس مشاورت

عالیجناب مولانا حسن عباس فطرت صاحب، عالیجناب مولانا قاضی محمد عسکری صاحب
عالیجناب مولانا ولی الحسن صاحب، عالیجناب مولانا محمد حسن معروفی صاحب
عالیجناب مولانا سید محمد جابر جوراسی صاحب، عالیجناب مولانا سید شمشاد حسین صاحب
عالیجناب ڈاکٹر ساجد امام زیدی صاحب

مجلس ادارت

عالیجناب مولانا سید تصدیق حسین صاحب، عالیجناب مولانا میثم زیدی صاحب
عالیجناب مولانا محمد سبطین باقری صاحب، عالیجناب مولانا وجیہ اکبر زیدی صاحب
عالیجناب مولانا سید عابد رضا نوشاد صاحب، عالیجناب مولانا فصاحت حسین صاحب
عالیجناب مولانا سید سجاد حیدر صفوی صاحب

مصباح الہدیٰ میں شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے
مصباح الہدیٰ کو موصولہ تحریروں میں ترمیم کا مکمل اختیار ہے
مصباح الہدیٰ میں شائع شدہ مضامین کو نقل کرنے کی اجازت ہے

بسمہ تعالیٰ

فہرست

۱	اداریہ	ادارہ	۴
۲	نورانی کلام	مولانا وقار حیدر صاحب	۶
۳	تفسیر	آیۃ اللہ العظمیٰ آقای ناصر مکارم شیرازی	۸
۴	پیغام حج	رہبر معظم آیۃ اللہ العظمیٰ آقای سید علی خامنہ ای	۱۷
۵	حسینی اقدام کے نمایاں خصوصیات ومقاصد	رہبر معظم آیۃ اللہ العظمیٰ آقای سید علی خامنہ ای	۲۲
۶	واقعہ کربلا کے مختلف زاویے	استاد شہید مرتضیٰ مطہری	۲۸
۷	خون شہادت کی پکار	مولانا ابوالکلام آزاد	۳۸
۸	صدائے "یاحسینؑ"	عالیجناب مولانا سید شمشاد حسین صاحب	۴۵
۹	شیعہ اور عزاداری	عالیجناب مولانا محمد حسن معروفی صاحب	۴۸
۱۰	قاتلان امام حسینؑ کون تھے؟	آقای علی اصغر رضوانی	۵۵
۱۱	شہادت حضرت علی اصغرؑ اور امن عالم	عالیجناب پروفیسر شاہ محمد وسیم صاحب	۶۲
۱۲	لبیک یاحسینؑ	عالیجناب مولانا سید پیغمبر عباس صاحب	۶۸
۱۳	تحفظ پیغام کربلا اور جناب ام کلثومؑ	عالیجناب مولانا سید نجیب الحسن زیدی صاحب	۸۲
۱۴	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت	عالیجناب مولانا سید عابد رضا نوشاد رضوی صاحب	۹۱
۱۵	خطبہ حضرت زینبؑ کے سبق آموز پیغامات	آقای عبدالکریم تبریزی	۹۹
۱۶	آہ! عالم باعمل مرحوم شیخ محمد حسین ذاکری	جناب محمد عباس رضوی صاحب	۱۱۲
۱۷	سرورِ کائنات کی چالیس سالہ خاموشی....	عالیجناب مولانا سید علی حماد صاحب	۱۱۵
۱۸	کمال صبر انساں	جناب ذکی احمد صاحب	۱۲۰
۱۹	دنیائے اسلام	عالیجناب مولانا انعام رضا صاحب	۱۲۲

اداریہ

باسمہ سبحانہ

کربلا اور ہماری ذمہ داری

انسانی سماج میں تبدیلی چاہے ارتقا کی سمت ہو یا پستی کی جانب، کبھی بھی دفعتاً اور اچانک نہیں ہوتی، بلکہ عموماً ایک نقطہ یا مرکز سے تبدیلی کی ابتداء ہوتی ہے پھر دھیرے دھیرے اس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے، بسا اوقات کسی شخص کے ساتھ پیش آنے والا کوئی ایک حادثہ یا واقعہ پورے سماج اور معاشرہ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ فکری اور نظریاتی طور پر جو تبدیلیاں آتی ہیں ان کا انداز بھی یہی ہوتا ہے۔

سماجیات کے ماہرین قائل ہیں کہ کوئی بھی نظریہ، مفکر سے براہ راست عوام تک نہیں پہونچتا بلکہ سماج کے علماء، امراء، رؤساء اور دانشور طبقہ سے تعلق رکھنے والی موثر شخصیات کے ذریعہ عوام تک پہونچتا ہے۔ ابتداء میں یہی درمیانی طبقہ جدید نظریہ کی مخالفت کرتا ہے پھر ردوقدح اور بحث وگفتگو کے بعد نظریہ قبول کرلیتا ہے اور انھیں کے ذریعہ عوامی طور پر مقبول ہوجاتا ہے ورنہ عوام میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ کسی فکر یا نظریہ کو براہ راست قبول یا رد کرسکے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عوام کی جانب سے کسی فکر، نظریہ یا تبدیلی کے قبول یا رد کے لئے "عوامی رجحان" کا تعلق اسی درمیانی طبقہ "خواص" سے ہے۔

ابتلاء وآزمائش اور جنگ کے مواقع پر بھی اس درمیانی طبقہ یا خواص کا کردار بہت اہم ہوتا ہے فریق مخالف یا دشمن اسی طبقہ پر نظر رکھتا ہے اور انھیں مختلف ذرائع سے خریدنے یا اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ارشاد کے مطابق لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں جن میں اکثریت ان بے اہمیت وسرگرداں عوام کی ہے جو ہر آواز پر دوڑ پڑتے ہیں اور جدھر کی ہوا ہوتی ہے ادھر کا ہی رخ کرلیتے ہیں۔

اس لحاظ سے درمیانی طبقہ یا خواص کی اہمیت اور ذمہ داری بہت زیادہ ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ

سماج کی صلاح یا فساد کا دارومدار اسی طبقہ پر ہوتا ہے اگر یہ طبقہ نیک، صالح، متقی و پرہیزگار ہوگا تو معاشرہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ لیکن اگر خواص یا درمیانی طبقہ اعلی انسانی و اخلاقی اقدار سے عاری، دنیا کا گرویدہ، ہویٰ و ہوس کا اسیر، مادیت میں غرق ہو تو معصوم قیادت کی موجودگی میں بھی بشریت نجاح و فلاح کے راستہ پر نہیں چل سکتی۔

انبیاء و اولیائے الٰہی ہوں یا ائمہ معصومین علیہم السلام سب کا مقصد ایک تھا سب "عدل و انصاف پر مبنی انسانی معاشرہ کی تشکیل" کے لئے کوشاں رہے تاریخ گواہ ہے کہ جس الٰہی نمائندہ کو جتنے زیادہ با معرفت اور اطاعت شعار خواص میسر ہو پائے وہ شخصیت اتنی ہی موثر رہی ہے۔

غدیر میں عوامی بیعت کے بعد آزمائش کے مرحلہ میں "خواص" کی اپنے فریضہ سے کوتاہی کے سبب ہی مولائے کائنات کو اپنے حق سے محروم ہونا پڑا اور عالم اسلام انحراف کا شکار ہو کر ذلت و رسوائی میں مبتلا ہو گیا۔ امام حسن مجتبیٰؑ کے دور میں بھی "خواص" کی دنیا پرستی اور بے وفائی نے آپؑ کو امیر شام کے ساتھ صلح پر مجبور کیا۔

واقعہ کربلا کو تاریخ بشریت میں یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ یہ معرکہ "خواص" کے ذریعہ سر کیا گیا، کربلا میں عوام کی آزمائش نہیں بلکہ خواص کا امتحان تھا اور کربلا کے خواص نے قدم بہ قدم، منزل بہ منزل، ہر مشکل، ہر آزمائش میں اپنی ذمہ داریوں کو اس طرح ادا کیا کہ خود امام معصومؑ کی زبان مبارک سے "بابی انتم و امی، طبتم و طابت الارض التی فیہا دفنتم" کی سند حاصل کر لی۔

کربلا ایک دوپہر تک محدود نہیں بلکہ صبح قیامت تک جاری ایک سفر ہے۔ کربلا کو ایسے افراد کی ضرورت ہے جو ہر دور کی یزیدیت کو شکست دے کر حسینی مشن کو آگے بڑھا سکیں۔

عصر حاضر میں بھی سب سے زیادہ کربلا اور مکتب حسینی باطل قوتوں کے نشانہ پر ہے، اسلام دشمن طاقتوں کو کبھی بھی داعشی اور یزیدی اسلام سے کوئی خطرہ نہ کل تھا نہ آج ہے۔ یہ طاقتیں صرف "حسینی فکر" کو ختم کرنا چاہتی ہیں اس لئے علماء، خطباء، شعراء، مفکرین اور دانشوران قوم و ملت کو کربلا اور حسینی فکر کی بقا کے لئے بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ "علم و معرفت، دینی شعور اور کربلائی بصیرت" کے بغیر یہ کردار ادا نہیں کیا جا سکتا۔

★★★★★

سوگواری کے آداب

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "لَمّا ماتَ اِبراهیمُ بنُ رَسُولِ اللهِ صلّی الله علیه و آله حَمَلَتْ عَینُ رَسُولِ اللهِ بِالدُّمُوعِ ثُمَّ قالَ النَّبیُّ صلّی الله علیه و آله:

تَدْمَعُ الْعَیْنُ وَیَحْزَنُ الْقَلْبُ وَ لانَقُولُ مایُسخِطُ الرَّبَّ وَ اِنّابِكَ یااِبراهیمُ لَمَحزُونُونَ"

جب رسول خداؐ کے فرزند ابراہیم دنیا سے رخصت ہوئے تو پیغمبر کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہوگئیں، اس کے بعد نبی کریم ص نے فرمایا: آنکھیں پرنم ہوتی ہیں، دل غمگین ہوتے ہیں، لیکن ایسی چیز نہیں کہوں گا جو غضب الٰہی کا سبب قرار پائے، اے ابراہیم ہم تمھارے سوگ میں غمگین ہیں۔

توضیح:

پیغمبر اسلام کا یہ عمل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وقت مصیبت انسان کی گریہ وزاری ایک فطری عمل ہے لیکن اس کے ساتھ اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ زبان سے ایسے الفاظ نہ نکلنے پائیں جو شان بندگی کے خلاف ہوں اور کلمہ کفر ہو۔ (بحار الانوار، ج ۲۲، ص: ۱۵۷)

ثواب گریہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "لِکُلِّ شَیءٍ ثَوابٌ اِلاَّ الدَّمعَةُ فینا"

ہر چیز کا ثواب معین ہے لیکن ہمارے غم میں بہنے والے آنسوؤں کی قیمت کا اندازہ نہیں۔

(جامع احادیث الشیعہ، ج ۱۲، ص: ۵۴۸)

آنسو، دوزخ کا حجاب

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"مامِنْ رَجُلٍ ذَكَرَنا اَوْ ذُكِرْنا عِنْدَهُ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ ماءٌ وَلَوْ مِثْلَ جَناحِ الْبَعوضَةِ اِلاّ بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ وَ جَعَلَ ذٰلِكَ الدَّمْعَ حِجاباً بَيْنَهُ وَ بَيْنَ النّارِ"

کوئی شخص ایسا نہیں جو ہمیں یاد کرے یا اس کے سامنے ہمارا ذکر ہو اس کی آنکھ سے چاہے مچھر کے پر کے برابر آنسو جاری ہوں مگر یہ کہ اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے، اور اس آنسو کو اس کے اور جہنم کے درمیان حجاب قرار دیتا ہے۔ (الغدیر، ج ۲، ص ۲۰۲)

سانسیں تسبیح

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"نَفَسُ الْمَهْمومِ لِظُلْمِنا تَسْبيحٌ وَ هَمُّهُ لَنا عِبادَةٌ وَ كِتْمانُ سِرِّنا جِهادٌ في سَبيلِ اللهِ. ثُمَّ قالَ أبو عَبدِاللهِ عليه السّلام: يَجِبُ اَنْ يُكْتَبَ هذا الْحَديثُ بِالذَّهَبِ"

جو سانس ہماری مظلومیت میں غمگین ہو وہ تسبیح ہے، ہمارے لئے ہم وغم عبادت ہے، ہمارے اسرار کو چھپانا خدا کی راہ میں جہاد ہے۔ پھر امام نے فرمایا: اس حدیث کو سونے کے پانی سے لکھنا چاہئے۔ (امالی شیخ مفید، ص ۳۳۸ و اصول کافی ج ۲، ص ۲۲۶)

توضیح:

امام حسین علیہ السلام کے غم میں رونے کا جو اجر وثواب ہے یقیناً اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ مظلوم کربلا پر آنسو بہانا ظلم کے خلاف ایک عظیم احتجاج ہے جس کا اثر سارے عالم پر نمایاں ہے، لیکن اس سے ہٹ کر ایک عزادار کو ان چیزوں پر بھی نظر رکھنی لازمی ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے کن مقاصد کے حصول کے لئے اتنے مصائب برداشت کئے ہیں، جن میں سے سرفہرست کم سے کم ان پر تو خاص توجہ ہونی چاہئے، اصلاح، ظلم وفساد سے دوری، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دین کی پاسداری، سیرت رسول اور سیرت حیدر کرار کی پابندی۔

★★★★★

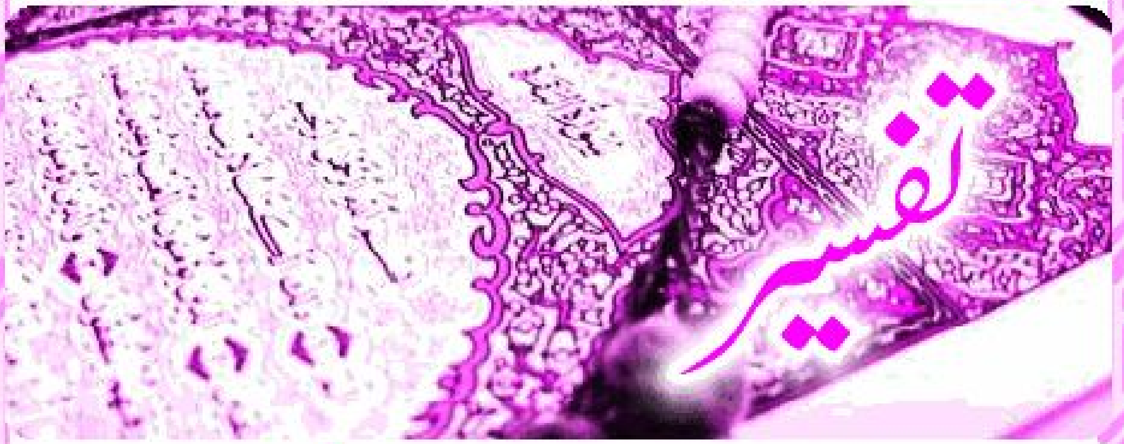

آیۃ اللہ العظمیٰ آقای ناصر مکارم شیرازی

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنبَأَهُم بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۳۳﴾

فرشتے امتحان کے سانچے میں

پروردگار کے لطف وکرم سے آدم حقائق عالم کے ادراک کی کافی استعداد رکھتے تھے خدا نے ان کی اس استعداد کو فعلیت کے درجہ تک پہنچایا اور قرآن کے ارشاد کے مطابق آدم کو تمام اسماء (عالم وجود کے حقائق واسرار) کی تعلیم دی۔ (وعلم ادم الاسماء کلها)

مفسرین نے اگر چہ "علم اسماء" کی تفسیر میں قسم قسم کے بیانات دیئے ہیں لیکن مسلم ہے کہ آدم کو کلمات واسماء کی تعلیم بغیر معنی کے نہیں دی تھی کیونکہ یہ کوئی قابل فخر بات نہیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان اسماء کے معنی ومفاہیم اور جن چیزوں کے وہ نام تھے ان سب کی تعلیم ہو۔ البتہ جہان خلقت اور عالم ہستی کے مختلف موجودات کے اسماء وخواص سے مربوط علوم سے باخبر وآگاہ کیا جانا حضرت آدم کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق سے اس آیت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: "الارضین والجبال والشعاب والاودیہ ثم نظر الی بساط تحتہ فقال وھذا البساط مما علمہ"

اسماء سے مراد زمینیں، پہاڑ، درے، وادیاں (غرض یہ کہ تمام موجودات) تھے اس کے بعد امام

نے اس فرش کی طرف نگاہ کی جو آپ کے نیچے بچھا ہوتھا اور فرمایا یہاں تک کہ یہ فرش بھی ان امور میں سے ہے کہ خدا نے جن کی آدم کو تعلیم دی۔ (مجمع البیان، زیر نظر آیات کے ضمن میں)

اس سے ظاہر ہوا کہ علم اسماء علم لغت کے مشابہ نہ تھا بلکہ اس کا تعلق فلسفہ، اسرار اور کیفیات وخواص کا تھا۔ خداوند عالم نے آدم کو اس علم کی تعلیم دی تا کہ وہ اپنی سیر تکامل میں اس جہان کی مادی اور روحانی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکیں۔ اسی طرح چیزوں کے نام رکھنے کی استعداد بھی انہیں دی تا کہ وہ چیزوں کے نام رکھ سکیں اور ضرورت کے وقت ان کا نام لے کر انہیں بلا سکیں یا منگوا سکیں اور یہ ضروری نہ ہو کہ اس کے لئے ویسی چیز دکھائی پڑے۔ یہ خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

اس موضوع کی اہمیت ہم اس وقت سمجھتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ انسان کے پاس اس وقت جو کچھ ہے کتاب اور لکھنے کی وجہ سے ہے اور گذرے ہوئے لوگوں کے سب علمی ذخائر ان کی تحریروں میں جمع ہیں اور یہ سب کچھ چیزوں کے نام رکھنے کے اور ان کے خواص کی وجہ سے ہے ورنہ کبھی بھی ممکن نہ تھا کہ ہم گذشتہ لوگوں کے علوم آنے والوں تک منتقل کر سکتے۔

پھر خداوند عالم نے فرشتوں سے فرمایا۔ اگر سچ کہتے ہو تو ان اشیاء اور موجودات کے نام بتاؤ جنہیں دیکھ رہے ہو اور ان کے اسرار و کیفیات کو بیان کرو (**ثم عرضھم علی الملائکۃ فقال انبؤنی باسماء ھؤلاء ان کنتم صدقین**) لیکن فرشتے جو اتنا علم نہ رکھتے تھے اس امتحان میں رہ گئے؛ لہذا جواب میں کہنے لگے خداوندا! تو منزہ ہے تو نے ہمیں جو تعلیم دی ہے ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے (**قالو اسبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا**) تو خود ہی علیم وحکیم ہے (انک انت العلیم الحکیم)۔

اگر ہم نے اس سلسلے میں سوال کیا ہے تو یہ، ہماری ناآگاہی کی بناء پر تھا ہم نے یہ مطلب نہیں پڑھا تھا اور آدم کی اس عجیب استعداد اور قدرت سے بے خبر تھے جو ہمارے مقابلے میں اسکا بہت بڑا امتیاز ہے۔ بے شک وہ تیری خلافت وجانشینی کی اہلیت رکھتا ہے جہان ہستی کی سرزمین اس کے وجود کے بغیر ناقص تھی۔

اب آدم کی باری آئی کہ ملائکہ کے سامنے موجودات کا نام لیں اور ان کے اسرار بیان کریں۔ خداوندے عالم نے فرمایا: اے آدم! فرشتوں کو ان موجودات کے ناموں سے آگاہ کرو (**قال یا آدم انبھم**

باسمائھم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السماوات والارض واعلم ماتبدون وما کنتم تکتمون)

اس مقام پر ملائکہ نے اس انسان کی وسیع معلومات اور فراواں حکمت ودانائی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اوران پر واضح ہو گیا کہ صرف یہی زمین پر خلافت کی اہلیت رکھتا ہے۔

جملہ "ما کنتم تکتمون "(جو کچھ تم اپنے اندر چھپائے ہوئے ہو) اس بات کی نشاندہی ہے کہ فرشتوں نے جو کچھ ظاہر کیا تھا اس کے علاوہ کچھ دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ ابلیس کے غرور وتکبر کی طرف اشارہ ہے جوان دنوں ملائکہ کی صف میں رہتا رہتا تھا لہذا وہ بھی ساتھ ہی مخاطب تھا۔ اس نے دل میں پختہ ارادہ کر رکھا تھا کہ وہ آدم کے سامنے ہرگز نہیں جھکے گا۔

یہ بھی احتمال ہے فرشتے درحقیقت اپنے آپ کو روئے زمین پر خلافت الٰہی کے لئے ہرکس وناکس سے زیادہ اہل سمجھتے تھے اگرچہ اس مطلب کی طرف اشارہ تو کر چکے تھے لیکن صراحت سے یہ بیان نہ کیا تھا۔

دوسوال اوران کا جواب

دوسوال اس موقع پر باقی رہ جاتے ہیں پہلا یہ کہ خداوند عالم نے حضرت آدم کو کس طرح ان علوم کی تعلیم دی تھی اور دوسرا یہ کہ اگر ان علوم کی فرشتوں کو بھی تعلیم دے دیتا تو وہ بھی آدم والی فضیلت حاصل کر لیتے یہ آدم کے لئے کون سا افتخار واعزاز ہے جو فرشتوں کے لئے نہیں۔

پہلے سوال کے جواب میں اس نکتے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے کہ یہاں تعلیم جنبۂ تکوینی رکھتی ہے یعنی خدا نے یہ آگاہی آدم کی طبیعت وسرشت میں قرار دی تھی اور تھوڑی سی مدت میں اسے بارآور کر دیا تھا۔

لفظ تعلیم کا اطلاق تعلیم تکوینی پر قرآن میں ایک جگہ اور بھی آیا ہے۔ سورہ رحمٰن آیہ ۴ میں ہے:

"علمہ البیان" خداوندے عالم نے انسان کو بیان کی تعلیم دی ہے۔

واضح ہے کہ یہ تعلیم خداوند عالم نے انسان کو مکتب آفرینش وخلقت میں دی ہے اور اس سے مراد وہی استعداد وخصوصیت فطری ہے جو انسانوں کے مزاج میں رکھ دی گئی ہے تا کہ وہ بات کر سکیں۔

دوسرے سوال کے جواب میں اس طرف توجہ رکھنی چاہیئے کہ ملائکہ کی خلقت ایک خاص قسم کی ہے جس میں یہ تمام علوم حاصل کرنے کی استعداد نہیں ہے وہ ایک اور مقصد کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اس مقصد کے لئے ان کی تخلیق نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس امتحان کے بعد ملائکہ حقیقت حال سمجھ گئے اور

انہوں نے قبول کرلیا۔ پہلے شاید وہ سوچتے تھے کہ اس مقصد کی اہلیت بھی ان میں ہے مگر خدا نے علم اسماء کے امتحان سے آدم اوران کی استعداد کا فرق واضح کردیا۔

یہاں ایک اور سوال بھی سامنے آتا ہے کہ اگر مقصود علم اسرار خلقت اور تمام موجودات کے خواص جاننا تھا تو پھر ضمیر "ھم" لفظ "اسمائھم" اور لفظ "ھؤلاء" کیوں استعمال ہوئے جو عموما افراد عاقل کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں کہ ضمیر "ھم اور لفظ ھولاء صرف ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات عاقل اور غیر عاقل کے مجموعے پر یا یہاں تک کہ افراد غیر عاقل کے مجموعے کے لئے بھی بولے جاتے ہیں جیسے حضرت یوسف ستاروں، سورج اور چاند کے بارے میں کہتے ہیں۔ قرآن میں: "رئیتھم لی ساجدین" میں نے خواب میں دیکھا یہ سب مجھے سجدہ کررہے ہیں۔ (یوسف: ۴)

> اس میں کوئی شک نہیں کہ "سجدہ" جس کا معنی عبادت و پرستش ہے صرف خدا کے لئے ہے کیونکہ عالم میں خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور توحید عبادت کے معنی یہی ہیں کہ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں لہذا اس میں شک وشبہ نہیں کہ ملائکہ نے آدم کے لئے سجدہ عبادت نہیں کیا بلکہ یہ سجدہ خدا کے لئے تھا۔

" وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٤﴾ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٣٥﴾ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾"

ترجمہ

۳۴۔ اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کے لئے سجدہ وخضوع کرو تو شیطان کے علاوہ سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کردیا اور تکبر کرکے (نافرمانی کی وجہ سے) کافروں میں سے ہوگیا۔

۳۵۔ اور ہم نے کہا اے آدم! تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں سکونت اختیار کرلو اور (اس کی نعمتوں میں سے) جو چاہو کھاؤ (لیکن) اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ ستمگاروں میں سے ہوجاؤ گے۔

۳۶۔ پس شیطان ان کی لغزش کا سبب بنا اور جس (بہشت) میں وہ رہتے تھے انہیں وہاں سے نکال دیا اور (اس وقت) ہم نے ان سے کہا سب کے سب (زمین کی طرف) چلے جاؤ اس حالت میں کہ تم میں سے بعض دوسروں کے دشمن ہو گے زمین تمہاری ایک مدت معین کے لئے قرار گاہ ہے اور فائدہ اٹھانے کا وسیلہ ہے۔

آدمؑ جنت میں

گذشتہ بحثیں جو انسان کے مقام وعظمت کے بارے میں تھیں ان کے ساتھ قرآن نے ایک اور فصل بیان کی ہے، پہلے کہتا ہے: یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے لئے سجدہ وخضوع کرو (و اذ قلنا للملائکۃ اسجدو الادم) ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جس نے انکار کیا اور تکبر اختیار کیا (فسجدوا الا ابلیس ابی و استکبر) اس نے تکبر کیا اور اسی تکبر و نافرمانی کی وجہ سے کافروں میں داخل ہو گیا۔ (و کان من الکافرین)

پہلے پہل یوں لگتا ہے کہ آدم کو سجدہ کرنے کا مرحلہ فرشتوں کے امتحان اور تعلیم اسماء کے بعد آیا لیکن قرآن کی دوسری آیات میں غور کرنے سے یہ موضوع آفرینش انسان اور اس کی خلقت کی تکمیل کے ساتھ ہے اور ملائکہ کے امتحان سے پہلے در پیش ہوا۔

سورہ حجر آیہ ۲۹ میں ہے: "فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سجدین"

جب خلقت آدم کو منظم کرلوں اور اپنی روح میں سے (ایک شائستہ روح جو میری مخلوق ہے) اس میں پھونک دوں تو اس کے لئے سجدہ کرو۔ یہی مفہوم سورہ ص آیہ ۷۲ میں بھی ہے۔

اس موضوع کی شاہد یہ بات بھی ہے کہ اگر سجدہ کا حکم مقام آدم کے واضح ہونے کے بعد ہوتا تو ملائکہ کے لئے زیادہ افتخار کا باعث نہ ہوتا چونکہ اس وقت تو آدم کا افتخار سب پر واضح ہو چکا تھا۔

بہر حال مندرجہ بالا آیت انسانی شرافت اور اسکی عظمت مقام کی زندہ اور واضح گواہ ہے کہ اسکی تکمیل خلقت کے بعد تمام ملائکہ کو حکم ملتا ہے کہ اس عظیم مخلوق کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ واقعاً وہ شخص جو مقام خلافت الہٰی اور زمین پر خدا کی نمائندگی کا منصب حاصل کرے، تمام تر تکامل و کمال پر فائز ہو اور بلند مرتبہ فرزندوں کی پرورش کا ذمہ دار ہو جن میں انبیاء اور خصوصاً پیامبر اسلام اور ان کے جانشین شامل ہوں

،ایسا انسان ہر قسم کے احترام کے لائق ہے۔

ہم اس انسان کا کتنا احترام کرتے ہیں اور اس کے سامنے جھکتے ہیں جو علم کے چند فارمولے جانتا ہو تو پھر وہ پہلا انسان جو جہان ہستی کی بھر پور معلومات رکھتا تھا اس کے ساتھ کیا کچھ ہونا چاہیے تھا۔

ابلیس نے مخالفت کیوں کی؟

ہم جانتے ہیں کہ لفظ "شیطان" اسم جنس ہے جس میں پہلا شیطان اور دیگر تمام شیطان شامل ہیں لیکن ابلیس مخصوص نام ہے اور یہ اسی شیطان کی طرف اشارہ ہے جس نے آدم کو ورغلایا تھا وہ صریح آیات قرآن کے مطابق ملائکہ کی نوع سے نہیں تھا صرف ان کی صفوں میں رہتا تھا وہ گروہ جن میں سے تھا جو ایک مادی مخلوق ہے۔

سورہ کہف آیہ ۵۰ میں ہے: "فسجدوا الا ابلیس کان من الجن"

ابلیس کے سوا سب سجدے میں گر پڑے (اور) یہ گروہ جن میں سے تھا۔

اس مخالفت کا سبب کبر وغرور اور خاص تعصب تھا جو اس کی فکر پر مسلط تھا، وہ یہ سوچتا تھا کہ میں آدم سے بہتر ہوں لہٰذا اسے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیا جانا چاہیئے بلکہ آدم کو سجدہ کرنا چاہیئے اور اسے مسجود ہونا چاہیئے تھا، اس کی تفصیل سورہ اعراف کی آیہ ۱۲ کے ذیل میں آئے گی۔

شیطان کے کفر کی علت بھی یہی تھی کہ اس نے خداوند عالم کے حکیمانہ حکم کو ناروا سمجھا، نہ صرف یہ کہ عملی طور پر اس نے نافرمانی کی بلکہ اعتقاد کی نظر سے بھی معترض ہوا اور خود بینی وخود خواہی نے یوں ایک عمر کے ایمان وعبادت کے ماحصل کو برباد کر دیا اور اس کے خرمن ہستی میں آگ لگا دی، کبر وغرور کے آثار بد اس سے بھی زیادہ ہیں۔

"کان من الکافرین" کی تعبیر نشاندہی کرتی ہے کہ وہ پہلے ہی میر ملائکہ اور فرمان خدا کی اطاعت سے اپنا حساب الگ کر چکا تھا اور اس کے سر میں استکبار کی فکر پرورش پا رہی تھی اور شاید وہ خود سے کہتا تھا کہ اگر مجھے آدم کو سجدہ اور خضوع کرنے کا حکم دیا گیا تو میں قطعاً اطاعت نہیں کروں گا۔ ممکن ہے جملہ ما کنتم تکتمون (جو کچھ تم چھپاتے تھے) اسی طرف اشارہ ہو۔ تفسیر قمی میں جو حدیث امام حسن عسکری سے روایت کی گئی ہے اس میں بھی یہی معنی بیان ہوا ہے۔ (تفسیر المیزان، ج۱، ص۱۲۶)

سجدہ خدا کے لئے تھا یا آدم کے لئے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ "سجدہ" جس کا معنی عبادت و پرستش ہے صرف خدا کے لئے ہے کیونکہ عالم میں خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور توحید عبادت کے معنی یہی ہیں کہ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں لہذا اس میں شک وشبہ نہیں کہ ملائکہ نے آدم کے لئے سجدہ عبادت نہیں کیا بلکہ یہ سجدہ خدا کے لئے تھا لیکن اس عجیب وغریب مخلوق کی وجہ سے یا یہ کہ سجدہ آدم کے لئے تھا لیکن وہ خضوع وتعظیم کا سجدہ تھا نہ کہ عبادت و پرستش کا۔

کتاب عیون الاخبار میں امام علی بن موسیٰ الرضا سے اسی طرح روایت ہے:

"کان سجودهم لله تعالی عبودیة ولادم اکرام وطاعة لکوننا فی صلبه"

فرشتوں کا سجدہ ایک طرف سے خدا کی عبادت تھا اور دوسری طرف آدم کا اکرام واحترام، کیونکہ ہم صلب آدم میں موجود تھے۔ (نورالثقلین، جلد ۱، ص ۵۸)

بہر حال اس واقعہ اور فرشتوں کے امتحان کے بعد آدم اور ان کی بیوی کو حکم دیا گیا کہ وہ بہشت میں سکونت اختیار کریں۔

چنانچہ قرآن کہتا ہے: ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور اس کی فراواں نعمتوں میں سے جو چاہو کھاؤ (**وقلنا یا آدم اسکن انت وزوجک الجنة وکلا منها رغدا حیث شئتما**۔ ("رغد" بروزن "صمد" ہے جس کے معنی ہیں فراواں، وسیع اور گوارا "حیث شئتما" اشارہ ہے ہر جگہ اور ہر قسم کے میوے کی طرف)

لیکن اس مخصوص درخت کے نزدیک نہ جانا، ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے (**ولا تقربا هذه الشجرة فتکونا من الظالمین**)۔

آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدم زندگی گزارنے کے لئے اسی عام زمین پر پیدا ہوئے تھے لیکن ابتدا میں خداوندے عالم نے انہیں بہشت میں سکونت دی جو اسی جہان کا ایک سرسبز وشاداب اور نعمتوں سے مالا مال باغ تھا، وہ ایسی جگہ تھی جہاں آدم نے کسی قسم کی تکلیف نہیں دیکھی۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ آدم زمین میں زندگی گزارنے سے آشنائی نہیں رکھتے تھے اور بغیر کسی تمہید کے زحمات وتکالیف اٹھانا

ان کے لئے مشکل تھا اور زمین میں زندگی گزارنے کے لئے یہاں کے کردار رفتار کی کیفیت سے آگاہی ضروری تھی لہذا مختصر مدت کے لئے بہشت کے اندر ضروری تعلیمات حاصل کرلیں کیونکہ زمین کی زندگی پروگراموں تکلیفوں اور ذمہ داریوں سے معمور ہے جس کا انجام صحیح سعادت، تکامل اور بقائے نعمت کا سبب ہے اور ان سے روگردانی کرنا رنج ومصیبت کا باعث ہے اور یہ پہچان لیں کہ اگرچہ انہیں آزاد پیدا کیا گیا ہے لیکن یہ مطلق ولا محدود آزادی نہیں ہے کہ جو کچھ چاہیں انجام دیں بلکہ انہیں چاہئے کہ زمین کی کچھ چیزوں سے چشم پوشی کریں۔

نیز یہ جان لینا بھی تھا کہ اگر خطاولغزش دامن گیر ہوتو ایسا نہیں کہ سعادت وخوش بختی کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہوجائیں گے بلکہ انہیں پلٹ کر دوبارہ عہد وپیمان کرنا چاہیئے کہ وہ حکم خدا کے خلاف کوئی کام انجام نہیں دیں گے تاکہ دوبارہ نعمات الٰہی سے مستفید ہوسکیں، اور وہ اس ماحول میں رہ کر کچھ پختہ ہوجائیں اور اپنے دوست اور دشمن کو پہچان لیں اور زمین میں زندگی گزارنے کی کیفیت سے آشنا ہوجائیں، یقیناً یہ سلسلہ تعلیمات ضروری تھا تاکہ وہ اسے یادرکھیں اور اس تیاری کے ساتھ روئے زمین پر قدم رکھیں۔

یہ ایسے مطالب تھے کہ حضرت آدم اور ان کی اولاد آئندہ زندگی میں ان کی محتاج تھی لہذا باوجودیکہ آدم کو زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا تھا ایک مدت تک بہشت میں قیام کرتے رہے اور انہیں کئی ایک حکم دیے جاتے ہیں شاید یہ سب تمرین وتعلیم کے پہلو سے تھا۔

اس مقام پر آدم نے اس فرمان الٰہی کو دیکھا جس میں آپ کو ایک درخت کے بارے میں منع کیا گیا تھا، ادھر شیطان نے بھی قسم کھا رکھی تھی کہ آدم اور اولاد آدم کو گمراہ کرنے سے باز نہ آئے گا، وہ وسوسے پیدا کرنے میں مشغول ہوگیا، جیسا کہ باقی آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے اس نے آدم کو اطمینان دلایا کہ اگر اس درخت سے کچھ کھالیں تو وہ اور ان کی بیوی فرشتے بن جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے یہاں تک کہ اس نے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ **(اعراف آیہ ۲۰، ۲۱)**

بالآخر شیطان نے ان دونوں کو پھسلا دیا اور جس بہشت میں وہ رہتے تھے اس سے باہر نکال دیا قرآن کے الفاظ میں: **"فازلهما الشیطٰن عنها فاخرجهما مما کانا فیه"** (ضمیر "عنہا" کے مرجع میں دو احتمال ہیں! یہ جنت کے لئے ہو اس صورت میں "مما کانا فیہ" کا جملہ ومرتبہ کے لئے ہو تو معنی یہ ہوگا کہ

شیطان نے ان کے دلوں کو جنت میں پھسلایا اور جس مقام کے وہ حامل تھے اس سے باہر نکالا ۲ یہ مرجع "شجرہ" ہو یعنی شیطان نے اس درخت ممنوع کی وجہ سے انہیں پھسلایا اور جس بہشت میں وہ تھے اس سے باہر نکالا۔) اس بہشت سے جو اطمینان و آسائش کا مرکز تھی اور رنج و غم سے دور تھی شیطان کے دھوکے میں آ کر نکالے گئے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: "**وقلنا اهبطو بعضکم لبعض عدو**" اور ہم نے انہیں حکم دیا کہ زمین پر اتر آؤ جہاں تم ایک دوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے (آدم و حوا ایک طرف اور شیطان ایک طرف)۔

مزید فرمایا گیا کہ تمہارے لئے ایک مدت معین تک زمین میں قرار گاہ ہے جہاں سے تم نفع اندوز ہو سکتے ہو (**ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین**) یہ وہ مقام تھا کہ آدم متوجہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور بہشت کے آرام دہ اور نعمتوں سے مالا مال ماحول سے وسوسے کے سامنے سر جھکانے کے نتیجے میں باہر نکالے جا رہے ہیں اور اب زحمت و مشقت کے ماحول میں جا کر رہیں گے، یہ صحیح ہے کہ آدم نبی تھے اور گناہ سے معصوم تھے لیکن جیسا کہ ہم آئندہ چل کر بتائیں گے کہ کسی پیغمبر سے جب ترک اولیٰ سرزد ہو جاتا ہے تو خداوندے عالم اس سے اس طرح سخت گیری کرتا ہے جیسے کسی عام انسان سے گناہ سرزد ہو۔

★★★★★

امام خمینی اور عزاداری

مجلس عزا اور گریہ و بکاء انسان ساز ہے، سید الشہداء کی مجالس عزاداری، ظلم کے خلاف تبلیغ و تشہیر اور طاغوت کے خلاف تبلیغ ہے۔ مظلوم پر جو ظلم روا رکھا گیا ہے اس کو آخر تک بیان کیا جانا چاہئے، وہ بنیاد جس نے تمام اقدار کو اب تک محفوظ رکھا ہے، وہ سید الشہداءؑ ہی ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "**حسینؑ منی و انا من حسینؑ**" یعنی دین و دیانت کا تحفظ امام حسینؑ ہی کریں گے، اور اس قربانی نے اسلام کی دیانت کو اب تک محفوظ رکھا ہے ہمیں اس کا تحفظ کرنا چاہئے"۔

(صحیفہ امام؛ ج ۱۰، ص ۱۲۰)

رہبر معظم آیۃ اللہ العظمیٰ آقای سید علی خامنہ ای

و الحمدللہ رب العالمین و صلّی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ الطیبین و صحبہ المنتجبین و من تبِعَھم بِاِحسانٍ الی یوم الدین۔

دنیا بھر کے مسلمان بھائیو اور بہنو!

مسلمانوں کے لئے موسم حج، لوگوں کی نظر میں شکوہ و افتخار کا موسم اور خالق کی بارگاہ میں دل کو منور کرنے اور خشوع و مناجات کا موسم ہے، حج ایک ملکوتی، دنیاوی، خدائی اور عوامی فریضہ ہے۔ ایک طرف تو یہ فرامین "فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَائَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا" اور "وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ" اور دوسری جانب یہ خطاب "الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ" حج کے لامتناہی اور گوناگوں پہلوؤں کو روشن کرتے ہیں۔

اس عدیم المثال فریضے میں، زمان و مکان کا تحفظ آشکار نشانیوں اور درخشاں ستاروں کی مانند انسانوں کے دلوں کو اطمینان عطا کرتا ہے اور عازمین حج کو عدم تحفظ کے عوامل کے حصار سے، جو توسیع پسند ظالموں کی جانب سے ہمیشہ عام انسانوں کے لئے سوہان روح بنے رہے ہیں، باہر نکال لیتا ہے اور انہیں ہر دوراہے پر احساس تحفظ کی لذت سے آشنا کراتا ہے۔

حج ابراہیمی جو اسلام نے مسلمانوں کو ایک تحفے کے طور پر پیش کیا ہے، عزت، روحانیت، اتحاد

اور شوکت کا مظہر ہے؛ یہ بدخواہوں اور دشمنوں کے سامنے امت اسلامیہ کی عظمت اور اللہ کی لازوال قدرت پر ان کے اعتماد کی نشانی ہے اور بدعنوانی، حقارت اور مستضعف بنائے رکھنے کی دلدل سے جسے دنیا کی جبر پسند اور اوباش طاقتیں انسانی معاشروں پر مسلط کر دیتی ہیں، مسلمانوں کے طویل فاصلے کو نمایاں کرتا ہے۔

اسلامی اور توحیدی حج "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کا مظہر ہے۔ مشرکین سے اظہار بیزاری اور مؤمنین کے ساتھ یکجہتی اور انس کا مقام ہے۔ جن لوگوں نے حج کی اہمیت کو گھٹا کر اسے محض ایک زیارتی و سیاحتی سفر سمجھ لیا ہے اور جو ایران کی مؤمن و انقلابی قوم سے اپنی دشمنی اور کینے کو حج کو سیاسی رنگ دینے جیسی باتوں کے پردے میں چھپا رہے ہیں، وہ ایسے حقیر اور معمولی شیطان ہیں جو بڑے شیطان امریکا کے اغراض و مقاصد کو خطرے میں پڑتے ہوئے دیکھ کر کانپنے لگتے ہیں۔

سعودی حکام جو اس سال سبیل اللہ اور مسجد الحرام کے راستے میں رکاوٹ بنے ہیں اور جنھوں نے خانہ محبوب کی سمت مؤمن و غیور ایرانی حاجیوں کا راستہ بند کر دیا ہے، وہ ایسے روسیاہ گمراہ افراد ہیں جو ظالمانہ اقتدار کے تخت پر اپنی بقا کو عالمی مستکبرین کے دفاع، صیہونزم اور امریکا کی ہمنوائی اور ان کے مطالبات پورے کرنے کی کوششوں پر موقوف سمجھتے ہیں اور اس راہ میں کسی بھی طرح کی خیانت کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

اس وقت منیٰ کے ہولناک سانحے کو تقریباً ایک سال کا عرصہ ہو رہا ہے جس میں کئی ہزار افراد عید کے دن، احرام کے لباس میں، شدید دھوپ میں، تشنہ لب اور مظلومیت کے عالم میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس سے کچھ ہی دن قبل مسجد الحرام میں بھی کچھ لوگ عبادت، طواف اور نماز کے عالم میں خاک و خوں میں غلطاں ہو گئے تھے۔ سعودی حکام دونوں سانحوں میں قصوروار ہیں۔ فنی ماہرین، مبصرین اور تمام حاضرین کا اس پر اتفاق رائے ہے۔ بعض اہل نظر افراد کی جانب سے سانحے کے عمدی ہونے کا خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

نیم جاں ہو چکے زخمیوں کو، جن کے مشتاق قلوب اور فریفتہ وجود عید قربان کے دن ذکر اللہ اور آیات الٰہیہ کے ترنم میں ڈوبے ہوئے تھے، بچانے میں کوتاہی اور تساہلی بھی طے شدہ اور مسلمہ حقیقت

ہے۔قسی القلب اور مجرم سعودی افراد نے انھیں جاں بحق ہو چکے لوگوں کے ساتھ بند کنٹینروں میں محبوس کر دیا اور انھیں علاج، مدد یہاں تک کہ ان کے سوکھے ہونٹوں تک پانی کے چند قطرے پہنچانے کے بجائے انھیں موت کے منہ میں پہنچا دیا۔کئی ملکوں کے کئی ہزار خاندان اپنے عزیزوں سے محروم ہو گئے اور ان ملکوں کی قومیں سوگوار ہو گئیں۔اسلامی جمہوریہ ایران سے تقریبا پانچ سو افراد شہداء میں شامل تھے، اہل خانہ کے دل ابھی مجروح اور سوگوار ہیں اور قوم بدستور غمگین و خشمگین ہے۔

سعودی حکام نے معافی مانگنے، اظہار ندامت اور اس ہولناک سانحے کے براہ راست قصورواروں کے خلاف عدالتی کارروائی کرنے کے بجائے، حد درجہ بے شرمی اور بے حیائی سے حتی ایک اسلامی بین الاقوامی تحقیقاتی ٹیم کی تشکیل سے بھی انکاری ہو گئے۔ملزم کی پوزیشن میں کھڑے ہونے کے بجائے مدعی بن گئے اور اسلامی جمہوریہ سے نیز کفر و استکبار کے خلاف بلند ہونے والے ہر پرچم اسلام سے اپنی دیرینہ دشمنی کو اور بھی خباثت اور ہلکے پن کے ساتھ بے نقاب کیا۔

ان کی پروپیگنڈہ مشینری، ان کے سیاستدانوں سے لیکر۔جن کا امریکا اور صیہونیوں کے سامنے رویہ عالم اسلام کے لئے بدنما داغ ہے۔ان کے ناپرہیزگار اور حرام خور مفتیوں تک جو قرآن وسنت کے خلاف آشکارا طور پر فتوے دیتے ہیں، اسی طرح ان کے پٹھو ابلاغی اداروں تک جن کا پیشہ ورانہ احساس ذمہ داری بھی ان کے جھوٹ اور دروغ گوئی میں رکاوٹ نہیں بنتا،اس سال ایرانی حجاج کرام کو حج سے محروم کرنے کے سلسلے میں اسلامی جمہوریہ ایران کو موردالزام ٹھہرانے کی عبث کوشش کر رہے ہیں۔فتنہ انگیز حکام جنھوں نے شیطان صفت تکفیری گروہوں کی تشکیل اور انھیں وسائل سے لیس کر کے دنیائے اسلام کو خانہ جنگی میں مبتلا اور بے گناہوں کو قتل اور زخمی کیا ہے اور یمن، عراق، شام اور لیبیا اور بعض دیگر ملکوں کو خون سے نہلا دیا ہے۔

اللہ سے بیگانہ سیاست باز جنھوں نے غاصب صیہونی حکومت کی جانب دوستی کا ہاتھ پھیلایا ہے اور فلسطینیوں کے جانکاہ رنج و مصیبت پر اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں اور اپنے مظالم و خیانت کا دائرہ بحرین کے گاؤوں اور شہروں تک پھیلا دیا ہے، وہ بے ضمیر اور بے دین حکام جنھوں نے منیٰ کا وہ عظیم سانحہ رقم کیا اور حرمین کے خادم ہونے کے نام پر محفوظ حرم خداوندی کے حریم کو توڑا اور عید کے دن

خدائے رحمان کے مہمانوں کو منیٰ میں اور اس سے پہلے مسجد الحرام میں بھینٹ چڑھایا، اب حج کو سیاسی رنگ نہ دینے کی بات کر رہے ہیں اور دوسروں پر ایسے بڑے گناہوں کا الزام لگا رہے ہیں جن کا ارتکاب خود انھوں نے کیا ہے یا وہ خود اس کا سبب بنے ہیں۔

وہ قرآن کے اس بصیرت افروز بیان "وَإِذا تَوَلَّىٰ سَعىٰ فِي الأَرضِ لِيُفسِدَ فِيها وَيُهلِكَ الحَرثَ وَالنَّسلَ وَاللهُ لا يُحِبُّ الفَسادَ" "وَإِذا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللهَ أَخَذَتهُ العِزَّةُ بِالإِثمِ فَحَسبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئسَ المِهادُ" کے مکمل مصداق ہیں۔ رپورٹوں کے مطابق اس سال بھی انھوں نے ایرانی حجاج اور بعض دیگر اقوام پر راستہ بند کرنے کے ساتھ ہی دیگر ملکوں کے حجاج کو امریکا اور صہیونی حکومت کی خفیہ ایجنسیوں کی مدد سے غیر معمولی کنٹرولنگ سسٹم کے دائرے میں رکھا ہے اور امن گاہ توحید کو سب کے لئے غیر محفوظ اور نا امن بنا دیا ہے۔

> سعودی حکام نے معافی مانگنے، اظہار ندامت اور اس ہولناک سانحے کے براہ راست قصورواروں کے خلاف عدالتی کارروائی کرنے کے بجائے، حد درجہ بے شرمی اور بے حیائی سے حتی ایک اسلامی بین الاقوامی تحقیقاتی ٹیم کی تشکیل سے بھی انکاری ہو گئے۔

عالم اسلام بشمول مسلمان حکومتوں اور اقوام کے، سعودی حکام کو پہچانیں اور ان کی گستاخ، بے دین، مادہ پرست اور (استکبار کے تئیں ان کی) فرمانبردار ماہیت کا بخوبی ادراک کریں اور عالم اسلام کی سطح پر انھوں نے جو جرائم انجام دئے ہیں ان کے سلسلے میں ان حکام کا گریبان پکڑے اور ہرگز نہ چھوڑے۔ اللہ کے مہمانوں کے ساتھ ان کے ظالمانہ روئے کے باعث حرمین شریفین اور امور حج کے انتظام و انصرام کے لئے کوئی بنیادی راہ حل تلاش کرے۔ اس فریضے کے سلسلے میں کوتاہی امت مسلمہ کے مستقبل کو زیادہ بڑی مشکلات سے دو چار کر دے گی۔

مسلمان بھائیو اور بہنو! اس سال مراسم حج میں مشتاق و با اخلاص ایرانی حاجیوں کی کمی ہے، مگر ان کے دل ساری دنیا کے حاجیوں کے ساتھ موجود اور ان کی بابت فکر مند ہیں اور دعا کر رہے ہیں کہ طاغوتوں کا شجرہ ملعونہ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اپنے ایرانی بھائیوں اور بہنوں کو دعاؤں، عبادتوں

اور مناجاتوں کے وقت ضرور یاد رکھئے اور اسلامی معاشروں کی مشکلات کے ازالے اور امت اسلامیہ کے استکباری طاقتوں، صہیونیوں اور ان کے آلہ کاروں کی دست برد سے دور ہوجانے کی دعا کریں۔

میں سال گزشتہ منیٰ اور مسجد الحرام کے شہیدوں اور سنہ ۱۹۸۷ کے شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مغفرت، رحمت اور بلندی درجات کی دعا کرتا ہوں اور حضرت امام زمانہ ارواحنا فداہ پر درود و سلام بھیجتے ہوئے امت مسلمہ کے ارتقا اور دشمنوں کے فتنہ و شر سے مسلمانوں کی نجات کا طلبگار ہوں۔

وباللہ التوفیق و علیہ التکلان

آخر ذی القعدہ ۱۴۳۷

★★★★★

احادیث امام جعفر صادق علیہ السلام:

۱۔ وہ انسان سعادتمند ہے جو تنہائی میں اپنے کو لوگوں سے بے نیاز اور خدا کی طرف جھکا ہوا پائے۔

۲۔ اگر کوئی شخص کسی برادر مومن کا دل خوش کرے تو خداوند عالم اس کے لئے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اس کی طرف سے عبادت کرتا ہے، اور قبر کا مونس، قیامت میں ثابت قدمی کا باعث، منزل شفاعت میں شفیع اور جنت میں پہچانے میں رہبر ہوگا۔

۳۔ نیکی کا حق یہ ہے کہ اس میں جلدی کرو اور اسے کم سمجھو اور چھپا کر کرو۔

۴۔ توبہ کرنے میں تاخیر کرنا اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے۔

۵۔ چار چیزیں ایسی ہیں جس کی کمی کو کثرت سمجھنا چاہئے، ۱۔ آگ، ۲۔ دشمن، ۳۔ فقیری، ۴۔ مرض۔

۶۔ کسی کے ساتھ بیس دن رہنا عزیزداری کے مانند ہے۔

۷۔ شیطان کے غلبہ سے بچنے کے لئے لوگوں پر احسان کرو۔

۸۔ لڑکی رحمت ہے اور لڑکا نعمت، خدا رحمت پر ثواب دیتا ہے اور نعمت پر سوال کرے گا۔

۹۔ جو تمھیں عزت کی نگاہ سے دیکھے تو تم بھی اس کی عزت کرو اور جو تمھیں ذلیل سمجھے تم اس سے خودداری کرو۔

۱۰۔ جو دوسروں کی دولت کو للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھے گا وہ ہمیشہ فقیر رہے گا۔ (نور الابصار، ص: ۱۳۴)

حسینی اقدام کے نمایاں خصوصیات ومقاصد

رہبر معظم آیۃ اللہ العظمیٰ آقای سید علی خامنہ ای

اسلام وقرآن اور اہلبیت علیہم السلام کی برکت سے امت اسلامیہ جن سیکڑوں خصوصیتوں کی حامل ہے، ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے عوام کی نظروں میں عظیم الشان مثال اور نمونہ جلوہ فگن ہے۔

قوموں کے لئے مثال اور نمونہ کا ہونا بہت ضروری ہے اگر کسی شخصیت کے اندر معمولی سی عظمت بھی پائی جاتی ہے تو قومیں انہیں عمومی طور پر بڑا کرتی ہیں اور اس کے نام کو ابدیت بخش دیتی ہیں تاکہ اپنے عمومی اقدام اور حرکت کو اپنی آنے والی نسلوں کے لئے، جیسا کہ وہ چاہتی ہیں، جہت اور سمت دے سکیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قوموں کے پاس کوئی واقعی اور حقیقی شخصیت نہیں ہوتی تاہم انہیں، داستانوں، اشعار اور گوناگوں قومی افسانوں میں پیش کیا جاتا ہے۔

یہ سب اس بات سے فیض حاصل کرتی ہیں کہ قوموں کو اپنے درمیان کسی مثال اور نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہ چیز اسلام میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی، جملہ بزرگ وعظیم ہستیوں میں پیشوائے اسلام و مسلمین، تاریخ بشریت کے شہید اعظم، نواسۂ رسول اکرمؐ حضرت اباعبداللہ علیہ السلام کا نام سرفہرست قرار پاتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں کی خصوصیات بے شمار ہیں کہ جن میں سے ہر ایک خصوصیت اور پہلو پر طویل بحث و گفتگو کی ضرورت پڑے گی تاہم ان میں سے دو تین نمایاں

خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں کہ جو آپؑ کو دیگر نمایاں لوگوں سے ممتاز بناتی ہیں، ان میں سے ایک خصوصیت ''اخلاص'' کی ہے، یعنی خدائی فریضہ پر عمل درآمد اس میں شخصی اور گروہی منافع اور مادّی محرکات و مفادات کو شامل نہ کرنا ہے۔

دوسری نمایاں خصوصیت ''خدا پر بھروسہ'' ہے اور ظاہری حالات سے اس بات کی نشاندہی ہوتی تھی کہ صحرائے کربلا کے شعلے تو وہیں پر بجھ جائیں گے۔ اس چیز کو فرزدق شاعر کیسے دیکھ رہا تھا لیکن حسین بن علی علیہ السلام جو کہ عین اللہ تھے اس چیز کو نہیں دیکھ رہے تھے؟ ظاہری حالات یہی تھے، لیکن خدا پر بھروسہ، اس کے خلاف یہ باور کرارہا تھا کہ ان کی حق بات غالب آئے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمی کی نیت اور مقصدیت کو عملی جامہ پہننا چاہیئے۔ اگر مقصدیت حاصل ہوجائے تو مخلص انسان کے لئے اس کی اہمیت ہے ورنہ اس کی شخصیت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

سلوک و معرفت کی ایک بزرگ ہستی کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ فرض کریں (بفرض محال) وہ سبھی کام جو پیغمبر اکرمؐ نے انجام دیئے اور ان کا مقصد بھی ان کی انجام دہی تھا، وہ سب انجام تو پائے لیکن کسی دوسرے آدمی کے نام پر، تو کیا ایسی صورت میں پیغمبر اکرمؐ ناخوش ہوتے؟ کیا وہ یہ فرماتے کہ چونکہ اس میں دوسرے کا نام شامل ہے، اس لئے میں یہ کام نہیں کروں گا۔ کیا ایسا تھا؟ یا ایسا نہیں تھا؟ مقصد یہ ہے کہ کام انجام پانا چاہیئے، لیکن یہ کہ کس کے نام کے تحت انجام پایا ہے، یہ ضروری نہیں ہے۔

لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ مقصد ضروری ہے ''شخص'' یا ''میں'' اور ''خود'' جیسے عمومی الفاظ کی مؤمن و مخلص آدمی کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہے اس کے پاس خلوص کے ساتھ مزید برآں خدا پر بھروسہ بھی ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ خداوند عالم اس کے اس مقصد کو ضرور بالضرور غالب کردے گا کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ''وَاِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغَالِبُوْنَ''۔

ایسے بہت سے سپاہی جو کہ غالب ہیں میدان جنگ میں خون جہاد میں غلطاں ہوکر شہادت کے درجہ پر فائز ہوجاتے ہیں تاہم ارشاد ہوتا ہے کہ ''اِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغَالِبُوْنَ'' فتح و کامیابی تو ہمارے سپاہیوں کو ہی نصیب ہونے والی ہے۔

تیسری خصوصیت، ''موقع شناسی'' ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے وقت اور موقع کی شناخت میں غلطی نہیں کی، واقعۂ کربلا سے پہلے دس برس تک امامت کی ذمہ داری آپ کے حوالے تھی، حضرتؑ مدینہ میں دیگر کاموں میں مصروف تھے اور کربلائی کام انجام نہیں دے رہے تھے، لیکن جیسے ہی وقت کا تقاضا ہوا کہ اس ضروری کام کے لئے اقدام کریں۔ تو آپؑ نے موقع کو پہچان کر اس پر اقدام شروع کر دیا، یہ تین خصوصیتیں سرنوشت ساز ہیں۔

ہر دور میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے، انقلاب کے دوران بھی ایسا ہی ہوا، آپ ہمارے امام خمینیؒ کو بھی دیکھیں کہ جنہیں خداوند عالم نے اس قدر بلند مقام پر فائز کیا ''وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا'' دنیا کی سبھی مادی اور استکباری طاقتوں کے مقابلے میں جو کہ انہیں برباد ساتھ ہی حقیر اور چھوٹا شمار کرتے ہوئے بھلا دینا چاہتی تھیں، خداوند عالم نے ان کی حفاظت کی، انہیں عظمت کا درجہ دیا اور زندۂ جاوید بنا دیا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کے اندر یہ تینوں خصوصیتیں پائی جاتی تھیں:

اول: یہ کہ اخلاص و خلوص تھا انہوں نے خود کے لئے کبھی کچھ نہیں چاہا۔

دوسرے: انہیں اپنے خدا پر مکمل بھروسہ تھا اور وہ جانتے تھے کہ ان کا کام اور مقصد ضرور پورا ہوگا، وہ خدا کے بندوں پر بھی بھروسہ کرتے تھے۔

تیسرے: یہ کہ انہوں نے موقع و محل کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، بموقع، لازمی قدم اٹھایا، بموقع لازمی بات کی اور بموقع اشارہ اور حرکت کا اقدام کیا۔

تحریک سید الشہداءؑ کا اہم ترین مقصد

میں حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشادات میں سے کچھ نکات کی طرف آپ لوگوں کے سامنے روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، کیونکہ لوگوں کے لئے اپنی بات کو واضح طور پر بیان کرنے کے لئے حضرتؑ کے ارشادات کا زیادہ سے زیادہ استعمال عمل میں لایا جانا چاہیے۔ اپنے بیان میں اس جملہ کی طرف جو کہ حضرتؑ سے منسوب و منقول ہے اشارہ کرنا چاہتا ہوں، حضرتؑ نے فرمایا:

''اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اِنَّ الَّذِیْ کَانَ مِنَّا مُنَافَسَةً فِی سُلْطَانٍ وَلَا اِلْتِمَاسِ شَیْءٍ مِنْ فُضُوْلِ الْحُطَامِ''

خداوندا! تو، تو جانتا ہے کہ یہ حرکت اور اقدام اور قیام برپا کرنے کا جو فیصلہ ہم نے کیا ہے وہ حصول اقتدار کے لئے نہ تھا، قدرت طلبی اور اقتدار پسندی ایک انسان کے لئے مقصد واقع نہیں ہوسکتی ہے۔ ہم نے طاقت واقتدار کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے کا ارادہ نہیں کیا، دنیاوی مال ودولت کے لئے بھی نہ تھا کہ زندگی کے عیش وآرام حاصل کریں اور شکم سیری کریں، مال و دولت کے حصول اور ذخیرہ اندوزی کے لئے بھی نہیں تھا! پھر یہ انقلاب کس لئے تھا؟

حضرتؑ نے کچھ جملے ارشاد فرمائے ہیں جو ہماری سمت اور راہ کو واضح کرتے ہیں، اسلامی تبلیغ کے سبھی ادوار میں یہ سبھی راستہ اور ان کی نشاندہی کی حیثیت رکھتے ہیں "وَلٰکِنْ لَنَرِیَ الْمَعَالِمِ مِنْ دِیْنِکَ "لوگوں کے لئے دین اسلام کے پرچم کو برافراشتہ رکھتے ہوئے ہم اس کی خصوصیات کو ان کے لئے واضح کریں۔

مقصد اور ہدف ضروری ہے ''شخص'' یا ''میں'' اور ''خود'' جیسے عمومی الفاظ کی مؤمن ومخلص آدمی کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہے اس کے پاس خلوص کے ساتھ مزید برآں خدا پر بھروسہ بھی ہے۔

خصوصیات کی بڑی اہمیت ہے، شیطان، اہل دین کی جماعت میں، ہمیشہ سے ہی تحریف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غلط راہوں کی نشاندہی کراتا آیا ہے۔ اگر یہ کہہ سکے کہ ''دین سے کنارہ کشی کرلو'' تو یہ کام کرگذرتا ہے اور غلط وضرررساں تشہیر ونفسانی خواہشات کے ذریعہ لوگوں سے ان کے دینی ایمان کو چھین لیتا ہے اور اگر یہ کام ممکن نہ ہوا تو، یہ کام کرتا ہے کہ دین کی غلط اور انحرافی نشانیوں کو پیش کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ آپ کسی سڑک پر جارہے ہوں اور دیکھیں کہ سنگ میل اور اس پر لکھی ہوئی نشانیاں آپ کو کسی سمت جانے کی ہدایت کررہی ہوتی ہیں لیکن کوئی خیانت پیشہ آدمی آکر اس کی سمت کو بدل کر کسی اور طرف آپ کی راہنمائی کردیتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام اپنا پہلا مقصد اس کو قرار دیتے ہیں: "لنری المعالم من دینک و نظھر الاصلاح فی بلادک"۔

کہ اسلامی ملکوں سے بدعنوانی اور فساد کا خاتمہ کروں اور پھر ان کی اصلاح کروں۔ اصلاح کا کیا مطلب ہے؟ یعنی بدعنوانی و فساد کا قلع قمع کرنا، اب یہ بدعنوانی و فساد ہے کیا؟ فساد کی بھی اپنی جگہ پر الگ الگ قسمیں ہیں: چوری، خیانت، فساد سے وابستگی، منہ زوری اخلاقی انحراف، مالی انحراف، اپنوں کے درمیان دشمنی، دشمنان دین کی طرف جھکاؤ، دین مخالف چیزوں میں دلچسپی دکھانا وغیرہ یہ سبھی فساد میں شمار ہوتے ہیں۔

اس کے بعد کے جملہ میں فرماتے ہیں: ”وَيَأْمَنَ الْمَظْلُومُونَ مِنْ عِبَادِكَ“تمہارے مظلوم بندوں کو تحفظ فراہم ہونا چاہیے، یہاں پر مقصود، معاشرے کے مظلوم لوگ ہیں نہ کہ ستمگر وظالم اور ظلم کے خوگر لوگ یا ظلم وستم کی ستائش کرنے والے یا ظلم پر عمل پیرا لوگ ہیں! ”مظلومون“ وہ لوگ ہیں جو بے سہارا ہیں، ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں مظلوم و مستضعف لوگوں کو (چاہے وہ کسی بھی جگہ اور سطح کے ہوں) تحفظ فراہم کیا جائے اس تحفظ میں عزت نفس، جان و مال اور عدل وانصاف کے تحفظ کی فراہمی بھی شامل ہے جو آج کی دنیا میں موجود نہیں ہے۔

امام حسینؑ اس زمانے کے طاغوت کے تحت اختیار چیزوں کے بالکل برخلاف، چیزیں چاہتے تھے، آج بھی اگر آپ عالمی سطح پر دیکھیں تو بالکل ایسا ہی پائیں گے۔ دین کے پرچم کو الٹا کر دیا گیا ہے، خدا کے مظلوم بندوں کی مظلومیت میں مزید اضافہ کر دیا گیا ہے اور ستمگروں نے اپنے خونی پنجے مظلوموں کے خون میں پہلے سے زیادہ گاڑ رکھے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کا مقصد، جہالت اور لاچاری کے خلاف جہاد

ایک جملہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت اربعین میں نقل کیا گیا ہے جملہ دعاؤں اور زیارتوں میں سبھی جملے بہت ہی وسیع معنی ومفہوم کے حامل ہیں کہ جن پر غور وفکر نہایت ضروری ہے۔ آج میں روز تاسوعا وایام عزا یعنی نویں محرم کی مناسبت سے پہلے خطبہ میں اسی جملہ کے متعلق (جو کہ امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کی ترجمانی کرتی ہے) کچھ باتیں پیش کروں گا۔ وہ جملہ یہ ہے!”وَبَذَلَ مُهْجَتَهُ فِيكَ“۔

یہ زیارت اربعین ہے، تاہم اس کا پہلا فقرہ وہ دعا ہے کہ ان جملوں کا کہنے والا خداوند عالم کو

مخاطب قرار دے کر کہتا ہے: "وَبَذَلَ مُهجَتَهُ فِيكَ" یعنی حسینؑ بن علیؑ نے تیری راہ میں اپنی جان فدا کردی۔ "لِيَستَنقِذَ عِبَادَكَ مِنَ الجَهَالَةِ" تاکہ تیرے بندوں کو جہالت سے چھٹکارا دلا سکے "وَحَيرَةِ الضَّلَالَةِ" اورانہیں گمراہی وضلالت کی پریشانی وتشویش سے نجات دلا سکے۔

یہ مسئلہ کا ایک پہلو ہے یعنی انقلاب برپا کرنے والی شخصیت حسین بن علی علیہ السلام کی ہے۔ دوسرا پہلو بعد کے جملہ میں بیان ہوتا ہے۔

"وَقَدْ تَوَازَرَ عَلَيهِ مَنْ غَرَّتْهُ الدُّنْيَا وَبَاعَ حَظَّهُ بِالأَرْذَلِ الأَدْنَى"

ان کے مقابلہ میں آمنے سامنے وہ لوگ تھے جنہوں نے زندگی کے فریبی جال میں پھنس کر اپنی زندگی اور خود کو دنیاوی اور مادی لذائذ ووسائل اور نفسانی خواہشات میں غرق کرلیا تھا اور اپنا وجود بھلا بیٹھے تھے "وَبَاعَ حَظَّهُ بِالأَرْذَلِ الأَدْنَى" خداوند عالم نے انسانوں کی خلقت عظیم میں جو حصہ مقرر فرمایا تھا (وہ دنیا وآخرت میں سعادت وخوش نصیبی پر مبنی تھا) انھوں (یزیدیوں) نے اسے ناقابل وحقیر چیزوں کے بدلے بیچ دیا تھا، یہ تحریک حسینی کا مختصر تعارف اور خاکہ تھا۔

اس بات پر غور وفکر کرنے پر یہ احساس ہوتا ہے کہ درحقیقت تحریک حسینی کو دو زاویوں سے دیکھا جاسکتا ہے جو کہ دونوں ہی صحیح ہیں، لیکن دو زاویوں سے ملاحظہ اور مطالعہ مجموعی طور پر اس تحریک کے پہلوؤں کی عظمت کے اجاگر ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔

ایک پہلو اور زاویہ حسین بن علی علیہ السلام کا ظاہری اقدام ہے جو کہ حکومت یزیدی جیسی فاسد ومنحرف اور ظالم حکومت کے خلاف حرکت واقدام ہے، لیکن باطن میں جو کہ قضیہ کا دوسرا پہلو ہے، اس سے بڑے اور عظیم اقدام کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اگرچہ امام حسین علیہ السلام یزید سے مقابلہ کرتے ہیں، لیکن آپؑ کا وسیع وہمہ جانبہ تاریخی مقابلہ عارضی نہیں اور یہ مقابلہ یزید کی سربراہی میں حکومت وقت سے نہیں اس ذلت وپستی اور جہالت ونادانی وگمراہی سے ہے کہ جس میں لوگ مبتلا تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے ان سب چیزوں سے مقابلہ کیا۔

★★★★★

اگر آپ کی ممبر شپ ختم ہوگئی ہے تو براہ کرم جلد روانہ فرمائیں

واقعہ کربلا کے مختلف زاویے

تحریر: استاد شہید مرتضیٰ مطہری
ترجمہ: عالیجناب مولانا سید سجاد حیدر صفوی صاحب

ممکن ہے ایک جملے کو جب مختلف پہلوؤں سے دیکھا جائے تو کئی معانی کا حامل ہو اور سب کے سب معانی صحیح بھی ہوں۔ واقعات و حادثات بھی اسی طرح ہوتے ہیں بالخصوص واقعہ کربلا اس خصوصیت کا حامل ہے۔ جب میں اس واقعہ کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اس میں غور و فکر کرتا ہوں تو مجھے اس واقعہ میں یہ صفت بخوبی نظر آتی ہے اور انسان جتنا زیادہ اس واقعہ میں غور و فکر کرتا ہے اس پر جدید رموز کشف ہوتے جاتے ہیں۔

یہ ایک ایسا واقعہ ہے جسے نمائش اور ڈرامے کی شکل میں بھی پیش کیا جا سکتا ہے اور اس میں بہت زیادہ جہات اور پہلو پائے جاتے ہیں۔ یہ واقعہ ایک خاص راز کا حامل ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ واقعہ تمام جہات و پہلوؤں سے اسلام کی مجسم تصویر ہے۔ یعنی اس میں اسلامی فکر و آئیڈیالوجی تمام جہات سے مجسم نظر آتی ہے۔ اسلام کے تمام اصول و اقدار تمام جہات کے ساتھ اس واقعہ میں عملاً نظر آتی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کربلا کے سلسلے میں مختلف طرح کے تصورات و نظریات رہے ہیں۔ جیسے امام رضا علیہ السلام کے دور کے شاعر دعبل خزاعی کربلا کو ایک خاص نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح امام سجاد علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانے کے شاعر کمیت اسدی کی کربلا کے سلسلے میں ایک الگ نگاہ ہے۔ یا محتشم کاشانی، سامانی اور صفی علی شاہ نے کربلا کو ایک الگ زاویہ سے دیکھا ہے۔ محتشم ایک نگاہ

سے دیکھتا ہے، سامانی کا زاویہ نگاہ کچھ اور ہے، صفی علی شاہ ایک الگ انداز میں دیکھتا ہے اور علامہ اقبال نے اپنی خاص نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ میری نگاہ میں ان سب کا زاویہ نگاہ صحیح ہے (البتہ غلط زاویوں کا وجود اپنی جگہ ہے ہم ان کی بات نہیں کر رہے ہیں) لیکن ناقص ہے۔ صحیح ہے لیکن نامکمل ہے۔ صحیح ہے یعنی ان سب نے کربلا کو صحیح زاویہ نگاہ سے دیکھا ہے غلط یا خلاف حقیقت نہیں ہے لیکن صرف ایک پہلو کا حامل ہے۔

واقعہ کربلا کے سلسلے میں دعبل خزاعی جیسے افراد کا تصور یہ ہے کہ یہ ایک حماسی واقعہ ہے۔ محتشم کاشانی جیسے افراد نے اس واقعہ کے جذباتی اور گریہ وفغاں کے پہلو کو دیکھا ہے اور عمان سامانی اور صفی علی شاہ جیسے لوگوں نے اسے عرفان، عشق اور محبت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ان میں کوئی بھی غلط نہیں بلکہ سب صحیح ہیں لیکن یہ مکمل تصویر نہیں بلکہ ان سب نے تصویر کے کسی ایک رخ کو پرکھا اور سمجھا ہے اور اسی کے مطابق اس کی تحلیل کی ہے ورنہ واقعہ کربلا ان تمام چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

جب ہم اسلام کی ہمہ گیریت اور اس کی جامعیت کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ایک نگاہ واقعہ کربلا پر ڈالنا بھی ضروری ہے تب ہمیں نظر آئے گا کہ امام عالی مقام ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام نے اسلام کے اصول وقوانین کو کربلا میں جامۂ عمل پہنایا ہے اور انہیں مجسم کیا ہے وہ بھی حقیقت میں اور زندہ صورت میں جس میں روح پائی جاتی ہے۔

انسان جب واقعہ کربلا میں غور کرتا ہے تو تعجب سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ یہ سب اتفاق نہیں ہوسکتا۔ ائمہ طاہرین نے اس واقعہ کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی جو تلقین کی ہے اور اس کے احیاء کے سلسلے میں جو اتنا اہتمام کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ واقعہ مجسم اسلام ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ ہم مجسم اسلام کو بھول جائیں۔

واقعہ کربلا میں ہمیں ایک اور عجیب چیز نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں ہمیں مرد کا کردار بھی نظر آتا ہے اور عورت کا کردار بھی، اس میں بوڑھے، جوان اور بچے کا بھی اہم رول ہے۔ سیاہ وسفید کا کردار بھی نظر آتا ہے اور عرب وغیر عرب کا بھی بلکہ مختلف طبقات کے افراد دکھائی دیتے ہیں۔ گویا قضائے الٰہی یہی تھی کہ اس واقعہ میں مختلف طبقات کے افراد کا الگ الگ رول ہو یعنی مجسم اسلام نظر آئے۔

واقعہ کربلا کا توحیدی اور عرفانی پہلو

واقعہ کربلا کے عرفانی و توحیدی پہلو کو سمجھنے کے لئے اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ شہدائے کربلا خدا کی ذات میں فنا تھے اور غیر خدا کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اور اس کے سمجھنے کے لئے ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے ایک خطبہ کے یہ دو جملے ہی کافی ہیں جس میں آپ فرماتے ہیں: (رِضَی اللہِ وَ اللہ رِضانا اهل البیت) ہم اہلبیت کی اپنی کوئی پسند نہیں ہے بلکہ ہمیں وہی پسند ہے جو خدا کو ہمارے لئے پسند ہو۔ جو راستہ خدا ہمارے لئے منتخب کرے ہمیں وہی راستہ پسند ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام جابر کی عیادت کے لئے جاتے ہیں اور ان کی احوال پرسی کرتے ہیں۔

امام باقر علیہ السلام اس وقت جوان ہیں اور جابر پیغمبر اکرم صلی اللہ و آلہ کے ایک بوڑھے صحابی ہیں۔ جابر کہتے ہیں: اے فرزند رسول! اس وقت میری حالت اس شخص کی سی ہے جو فقر کو ثروت پر، بیماری کو سلامتی پر اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: لیکن ہم اہلبیت ایسے نہیں ہیں۔ ہماری اپنی کوئی پسند نہیں ہے۔ ہم اپنے لئے وہی بہتر سمجھتے ہیں جو خدا کی مصلحت ہو۔ امام حسین علیہ السلام کے جملے میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہی مضامین نظر آتے ہیں۔ شہدائے کربلا شب عاشورا کس حال میں بسر کرتے ہیں۔ گویا اس شب کو امام نے اپنے لئے بچا کر رکھا تھا تا کہ یہ شب استغفار، دعا، مناجات اور اپنے پروردگار کے ساتھ راز و نیاز میں بسر کریں۔ روز عاشورا کی نماز دیکھئے اس میں توحید، عبودیت، ربوبیت، عرفان کے کیا کیا جلوے نظر آتے ہیں! کس اوج پر نظر آتی ہے یہ نماز!

بعض اصحاب حسینؑ، خانوادہ اہلبیت کے تمام افراد اور خود امام عالی مقام ظہر عاشورا کے بعد شہید ہوئے ہیں۔ امام کا ایک صحابی ہے جس کا نام ابوصائدی ہے۔ امام کی خدمت میں آکر عرض کرتا ہے: فرزند رسول نماز کا وقت ہے۔ ہم چاہتے ہیں اپنی آخری نماز آپ کی اقتدا میں با جماعت ادا کریں۔ دیکھئے کیا نماز تھی یہ! ایسی نماز جس میں بارش کی طرح تیر برس رہے تھے لیکن ابا عبداللہ الحسین اور ان کے اصحاب حالت عبادت میں غرق تھے (اللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔۔۔) ایک انگریز کہتا ہے: حسین ابن علی نے کتنی باعظمت نماز پڑھی۔ ایسی نماز جس کی نظیر دنیا

میں نہیں ملتی۔ اپنا روئے مبارک کربلا کی خاک پاک پر رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں: (بسم اللہ و باللہ وعلی ملۃ رسول اللہ) جب ہم واقعہ کربلا کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں تو حسینی تحریک ہمیں صرف ایک عرفانی تحریک نظر آتی ہے جس میں حسین ابن علی علیہما السلام ہیں اور ان کا خدا ہے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

کربلا کا حماسی پہلو

لیکن جب ہم دوسرے زاویہ سے دیکھتے ہیں جس زاویہ سے دعبل خزاعی، کمیت اسدی اور اس طرح کے افراد نے دیکھا ہے تو ہم ایک جوشیلے اور باغیرت انسان کو دیکھتے ہیں جو ظلم وستم کے مقابل کھڑا ہے اور اسے کسی بھی صورت جھکایا نہیں جا سکتا۔ گویا اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور مسلسل عزت، شرافت اور آزادی کے نعرے لگاتا ہے "لا و اللہِ لا اعطیم بیدِ اعطا الذلیلِ و لا افِر فِرار العبیدِ" خدا کی قسم! میں ہرگز ذلت کو قبول نہیں کرونگا اور غلاموں کی طرح فرار اختیار نہیں کرونگا۔" ھیہات مِنا الذِلۃ، الموت اولیٰ مِن رکوبِ العارِ۔ لا اری الموت الا سعادۃ و الحیوۃ مع الظالِمین الا برما" امام علیہ السلام نے مختلف مقامات پر یہ جملے کہے ہیں۔

جب انسان ان چیزوں کو دیکھتا ہے تو اسے شجاعت، غیرت، جوش وحماسہ نظر آتا ہے۔ عرب کی تعبیر کے مطابق "اباء" یعنی کسی کے آگے نہ جھکنا اور سر تسلیم خم نہ کرنا۔ وہ افراد جو ظلم وستم کے سامنے خم نہیں ہوتے عرب انہیں" ابات " کہتے ہیں یعنی وہ افراد جو کسی بھی صورت ظلم قبول نہیں کرتے۔ اہلسنت کے ایک دانشمند ابن ابی الحدید کہتے ہی: امام حسین علیہ السلام سید الا بات ہیں۔ یعنی حسین علیہ السلام ان افراد کے سید وسردار ہیں جو کبھی ظلم کے آگے نہیں جھکے۔ جب کربلا کے اس پہلو کو دیکھتے ہیں تو ہمیں حماسہ، ظلم کے خلاف قیام، تنقید اور احتجاج نظر آتا ہے۔

واقعہ کربلا میں وعظ ونصیحت کا پہلو

واقعہ کربلا میں ہمیں ایک اور منظر نظر آتا ہے جہاں ہمیں انسانیت کا ایک خیر خواہ اور ہمدرد واعظ نظر آتا ہے جو اپنے دشمنوں کے انجام سے بھی دکھی ہے۔ جسے اس بات کا دکھ ہے کہ یہ لوگ اپنے ہی ہاتھوں اپنے لئے کیوں جہنم خرید رہے ہیں اور اس قدر بد بخت کیوں ہیں؟ یہاں وہ شجاع اور جوشیلا

انسان گفتگو میں نرم نظر آتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ روز عاشورا اور اس سے پہلے امام عالی مقام علیہ السلام کس طرح وعظ و نصیحت کر رہے ہیں۔ نہ صرف امام علیہ السلام بلکہ ان کے اصحاب نے کس قدر لوگوں کو نصیحت کی ہے۔ حنظلہ ابن اسعد، زہیر ابن قین، حبیب ابن مظاہر اور دوسرے افراد نے کیا کیا نصیحتیں کی ہیں لوگوں کو۔

ابا عبداللہ الحسین سب لوگوں کے بارے میں کافی فکر مند تھے اور ان کی بدبختی کی فکر سے کافی متاثر تھے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان میں سے ایک فرد کا بھی یہ حال ہو اسی لئے وہ ان سے الجھتے نہیں تھے بلکہ ان کی کوشش تھی کہ جس طرح بھی ہو اور جس قدر ممکن ہو ان کی تعداد میں کمی ہو۔ اس عنوان سے وہ اپنے جد رسول اللہ کی مثال تھے "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ" (توبہ/۱۲۸)

کیا آپ جانتے ہیں کہ "عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" کا کیا مطلب ہے؟ یعنی ان کی بدبختی آپ کو بڑی گراں گزرتی ہے۔ پیغمبر اکرم کے لئے ان کے دشمنوں کی بدبختی بڑی شاق تھی۔ انہیں خود تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ بدبختیاں امام حسین علیہ السلام پر کس قدر شاق ہیں۔ اونٹ پر سوار ہو کر جاتے ہیں۔

پھر پلٹ آتے ہیں۔ پیغمبر اکرم کا عمامہ سر پر رکھتے ہیں، ان کا لباس پہنتے ہیں، گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور ان کی طرف آتے ہیں تا کہ شاید ان میں سے کسی کو بدبختی سے بچا سکیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نمونہ محبت ہیں۔ ایک ایسے مہربان دوست ہیں جو اپنے دشمن کے لئے بھی ہمدردی رکھتے ہیں۔

واقعہ کربلا میں اسلامی اخلاقیات کی جلوہ نمائی

اب ہم ذرا اخلاق کی طرف آتے ہیں اور اسلامی اخلاق کی کچھ گفتگو کرتے ہیں۔ جب ہم اس نگاہ سے کربلا کو دیکھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کربلا میں اسلامی اخلاقی اقدار مکمل طور سے جلوہ نمائی کر رہی ہیں۔ ہم یہاں مختصر طور پر تین اسلامی اخلاقی اقدار کو بیان کرتے ہیں جو نمایاں طور پر کربلا میں جلوہ گر ہیں اور وہ ہیں مروت، ایثار و وفا اور اسلامی مساوات۔

۱۔مروت

مروت شجاعت سے جدا اپنا ایک خاص مفہوم رکھتی ہے اگر چہ مردانگی کو اس کے مترادف کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت اس کے ایک خاص معنی ہیں۔ مولانا روم نے اس کے معنی سب سے بہتر انداز میں بیان کئے ہیں۔ وہ عمرو بن عبدود کے ساتھ امام علی علیہ السلام کی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: جب علی علیہ السلام عمرو کو پچھاڑ کر اس کے سینے پر سوار ہو جاتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ گستاخی کرتا ہے اور ان کے روئے مبارک پر تھوک پھینکتا ہے۔ آپ اس کے سینے سے اتر کر ٹہلنے لگتے ہیں اور پھر دوبارہ اس کے سینے پر سوار ہو جاتے ہیں۔ یہاں مولانا روم اپنے خاص انداز میں مدح سرائی شروع کرتے ہیں:

در شجاعت شیر ربانیستی　　　در مروت خود کہ داند کیستی

آپ شجاعت میں اللہ کے شیر ہیں لیکن مروت میں کوئی آپ کی جوانمردی اور سیادت کی تعریف نہیں کر سکتا۔ مروت یہ ہے کہ انسان اپنے دشمنوں کے لئے بھی محبت اور ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہو۔

حافظ شیرازی کہتے ہیں:

آسایش دو گیتی تفسیر این حرف است　　　با دوستان مروت با دشمنان مدارا

لیکن اسلام کا حکم اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر حافظ یہاں اسلام کی بات کرتے تو اس طرح سے کہتے: دوستوں کے ساتھ بھی مروت اور دشمنوں کے ساتھ بھی مروت اور مردانگی کا رویہ رکھنا چاہیئے۔ امام عالی مقام اپنے دشمن کو پیاسا دیکھ کر اسے پانی پلاتے ہیں، یہ ان کی مروت ہے۔ یہ شجاعت سے بھی آگے کا مرحلہ ہے۔ جس طرح مولائے کائنات نے عمرو بن عبدود کے ساتھ کیا۔ صبح عاشورا سب سے پہلے جو شخص امام عالی مقام کے خیموں کی طرف گیا وہ شمر ابن ذی الجوشن تھا تاکہ حالات کا جائزہ لے۔ جب قریب آیا تو دیکھا خیموں کو ایک دوسرے سے نزدیک باندھ کر اس کے اطراف میں خندق کھودی گئی ہے اور اس میں خاردار جھاڑیاں ڈال کر آگ جلائی گئی ہے۔ اسے یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا کہ اب ان پر پیچھے سے حملہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تب اس نے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

امام کے ایک صحابی نے عرض کی: مولا اجازت دیں یہیں اس کا کام تمام کر دوں، امام نے

فرمایا: نہیں، امام نے فرمایا کہ میں اس کی خباثت سے اچھی طرح واقف ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں یہ کس قدر فاسق وفاجر ہے۔ میں سب کچھ جانتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں جنگ شروع نہیں کرنا چاہتا چاہے وہ ہمارے ہی فائدہ میں کیوں نہ ہو۔ یہ اسلام کا حکم تھا۔ امام حسین اس خاصیت کے حامل تھے۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ وہ جنگ شروع نہ کریں بلکہ جنگ کا آغاز ان افراد کی طرف سے ہو جو زبان پر شہادتین جاری کرنے والے اور بظاہر مسلمان تھے۔ امام نے فرمایا: انہیں شروع کرنے دو ہم ہرگز آغاز نہیں کریں گے۔

۲۔ ایثار ووفا

اب ہم اس واقعہ میں جلوہ گر ایک دوسری اخلاقی قدر کی بات کرتے ہیں۔ اور وہ ہے ایثار۔ کربلا میں ایثار کس خوبصورتی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ کیا ایثار ووفا کے لئے حضرت ابوالفضل العباس سے بہتر کوئی شخصیت مل سکتی ہے؟ اس اخلاقی قدر کی مثال صدر اسلام سے بھی بیان کرونگا لیکن وہاں اس کی حامل کوئی ایک فرد نہیں بلکہ ایک گروہ ہے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ صدر اسلام کی کوئی جنگ تھی۔

> ائمہ طاہرینؑ نے اس واقعہ کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی جو تلقین کی ہے اور اس کے احیاء کے سلسلے میں جو اتنا اہتمام کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ واقعہ مجسم اسلام ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ ہم مجسم اسلام کو بھول جائیں۔

مجاہدین اسلام زخموں سے چور زمین پر گرے ہوئے تھے۔ میں زخمیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرا جو زندگی کی آخری سانسیں گن رہا تھا (ایک زخمی انسان جس کے زخموں سے خون رس رس کر بہہ رہا ہو اسے بڑی شدید پیاس محسوس ہوتی ہے) میں اسے دیکھ کر سمجھ گیا کہ اسے پانی کی سخت ضرورت ہے۔ دوڑتا ہوا گیا اور ایک برتن میں اس کے لئے پانی لے کر آیا اس نے پانی کو منہ تک نہیں لگایا بلکہ اشارہ سے سمجھایا کہ میرا وہ بھائی بھی میری طرح پیاسا ہے پہلے اسے پانی پلاؤ پھر میرے پاس آنا۔ اس کے پاس گیا تو اس نے ایک دوسرے

زخمی کی طرف اشارہ کیا کہ پانی اسے پلادوں۔میں فوراًاس کی طرح لپکا(کہتے ہیں اسی طرح وہ تین یا دس افراد کے پاس پانی لے کر گیا۔)وہ کہتا ہے جب میں آخری شخص کے پاس پہنچا تو وہ دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔اسی طرح اس سے پہلے والے کے پاس آیا تو وہ بھی گزر چکا تھااور اس طرح سب اپنی جان خدا کے حوالے کرچکے تھے۔میں ان میں سے کسی ایک کو بھی پانی پلانے میں کامیاب نہیں ہوسکا کیونکہ جس کے پاس بھی جاتا وہ مجھے دوسرے کے پاس بھیج دیتا تھا۔اسے کہتے ہیں ایثار جو انسانی روح کے احساسات و اقدار کا عظیم نمونہ ہے۔

سورہ ھل اتی کس لئے نازل ہوا ہے؟ "وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا" (انسان/۸۔۹)

یہ سورہ ایثار کی عظمت بتا رہا ہے۔اس انسانی اور اسلامی قدر کو کربلا میں بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے اور سب سے بہتر انداز میں ابوالفضل العباس علیہ السلام کی ذات گرامی نے پیش کیا ہے۔جب آپ نے فرات کے کنارے سے چار ہزار کے لشکر کو دور بھگایا اور پانی میں اترے تو ان کا گھوڑا فرات میں اتنی گہرائی میں اتر گیا تھا کہ پانی اس کے پیٹ کے اوپر تک آتا تھا اس طرح سے کہ حضرت ابوالفضل گھوڑے سے اترے بغیر ہی اپنی مشک پانی سے بھر سکتے تھے۔

آپ نے مشک بھرنے کے بعد چلو میں تھوڑا پانی لیا اور پینے کے لئے ہونٹوں کے قریب لائے۔جو لوگ دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ انہوں نے پانی نہیں پیا بلکہ واپس فرات کے حوالے کر دیا۔پہلے کوئی نہیں سمجھ پایا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔پھر تاریخ خود لکھتی ہے:"فذکر عطش الحسین علیہ السلام"انہیں اپنے مولا حسین علیہ السلام کی پیاس یاد آگئی۔اپنے آپ سے کہا:یہ ٹھیک نہیں ہے کہ حسین ابن علی پیاسے ہوں اور میں پانی پی لوں۔

اب تاریخ نے یہ بات کہاں سے سمجھی؟ یہ بات غازی عباس کے اشعار سے سمجھ میں آتی ہے:

یانفس من بعد الحسین ھونی　　　فبعدہ لا کنت ان تکونی

اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے کہتے ہیں۔خود اپنے آپ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: اے عباس کے نفس!میں چاہتا ہوں کہ تم حسین علیہ السلام کے بعد زندہ نہ رہو۔تو کیا اب تم پانی پی کر

زندہ رہنا چاہتے ہو۔عباس! حسینؑ خیمے میں پیاسا ہے اور تم ٹھنڈا پانی پینا چاہتے ہو؟ خدا کی قسم، غلامی، آقائی، برادری، امام کی پیروی اور وفاداری کی یہ رسم نہیں ہے۔ جی ہاں وہ تو سراپا وفا تھے۔

۳۔اسلامی مساوات

اب ذرا اسلامی مساوات اور اسلامی برابری اور بھائی چارے کی بات کرتے ہیں۔ کربلا میں بعض گنے چنے افراد ہیں جن کے سرہانے خود امام حسینؑ پہنچے ہیں۔ان میں سے دو افراد ایسے ہیں جو پہلے غلام تھے اور بعد میں انہیں آزاد کر دیا گیا تھا۔ان میں سے ایک جناب جون ہیں جو جناب ابوذر کے آزاد کردہ تھے۔ان کا رنگ کالا تھا اور اپنی آزادی کے بعد یہ کبھی اہلبیت کے در سے الگ نہیں ہوئے یعنی ہمیشہ در اہلبیت پر ایک خادم بن کر رہے ہیں۔ یہی سیاہ فام جون عاشور کے دن امام کی خدمت میں آکر کہتے ہیں: مولا مجھے بھی رن میں جانے کی اجازت دیجئے۔امام فرماتے ہیں: نہیں جون تم نے ہم اہلبیت کی بڑی خدمت کی ہے،ہم تم سے راضی ہیں۔تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے اب تم دنیا میں آقا بن کر زندگی بسر کرو۔وہ پھر سے التماس کرتے ہیں گڑگڑاتے ہیں۔لیکن آپ پھر منع فرماتے ہیں۔

جون امام کے قدموں میں گر کر ان کے بوسے لینے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: مولا مجھے اس سعادت سے محروم نہ کیجئے۔اس کے بعد جون نے ایک ایسا جملہ کہا کہ امام انہیں روک نہیں سکے۔عرض کی: میں سمجھ گیا آپ مجھے رن میں جانے کی اجازت کیوں نہیں دے رہے ہیں۔کہاں میں اور کہاں یہ سعادت۔میں اس سیاہ جسم، کثیف خون اور بدبودار بدن کی وجہ سے اس سعادت کے قابل نہیں ہوں۔ امام نے فرمایا: نہیں جون ایسا نہیں ہے۔جاؤ تمہیں بھی اجازت دی۔جاتے ہیں رجز پڑھتے ہیں اور شہید کر دئے جاتے ہیں۔

امامؑ ان کے سرہانے جاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں: خدایا اُس دنیا میں جون کے چہرے کو روشن اور اس کے جسم کو خوشبودار قرار دینا۔خدایا! اسے نیک لوگوں کے ساتھ محشور فرمانا۔اور اس دنیا میں اُس کے اور آل محمد علیہم السلام کے درمیان کامل آشنائی برقرار کردے۔

ایک دوسرا شخص بھی ہے جو رومی یا پھر ترک ہے۔جب وہ گھوڑے سے گرا تو امام عالی مقامؑ نے

خودکواس کے سرہانے پہنچایا۔اب یہاں کا منظرتو واقعاً عجیب ہے۔یہ غلام جب گراتو بیہوش تھااوراس کی آنکھوں میں خون بھرا تھا۔امام نے اس کا سراپنے زانو پر رکھااور پھراپنے ہاتھوں سے اس کے چہرے اور آنکھوں کا خون صاف کیا۔اتنے میں اسے ہوش آ گیا۔وہ امام کی طرف دیکھ کرمسکرانے لگا۔امام نے اپنا چہرے اس کے چہرے پر رکھ دیا۔

یہ کام امامؑ نے یا حضرت علی اکبر کے ساتھ کیا یا پھراس غلام کے ساتھ اس کے علاوہ کسی دوسرے کے بارے میں تاریخ یہ نہیں لکھتی۔ (وَ وَضَعَ خَدَّہ عَلیٰ خَدِّہ)یعنی اپنے رخسارکواس کے رخسار پر رکھا۔وہ اتنا خوش ہوا کہ مسکرانے لگا"فتبسّم ثمّ صار الی ربہ۔رضی اللہ عنہ"۔

گر طبیبانہ بیایی بہ سربالینم　　　بہ دوعالم ندھم لذت بیماری را

اس کا سرامام کی آغوش میں تھاجب اس کے جسم سے روح نے پرواز کی۔

ہم کربلا میں تمام اسلامی،اخلاقی،معاشرتی،نصیحتی،حماسی،توحیدی،عرفانی اور اعتقادی پہلوؤں کومجسم صورت میں دیکھتے ہیں اورجن افراد نے ان اقدار کو پیش کیا ہے ان میں شیرخوارمعصوم سے لےکرستراسی سالہ بوڑھے افراد تک نظر آتے ہیں۔یہ تنہا کربلا کاامتیاز ہے۔

★★★★★

امام جعفر صادقؑ

ایک مشہور مورخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ السلام کے خاندان اور بارہ اماموں میں سے ہیں کہ جن کی سچی اورصحیح گفتگو کی بدولت انہیں صادق کہا جانے لگا۔ ان کی بزرگی اور بڑائی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ابوموسی جابربن حیان طرطوسی ان کے شاگرد تھے۔جابر نے ہزار صفحات پر مشتمل ایک کتاب تالیف کی کہ جس میں حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام کی تعلیمات درج تھیں اوراس کے پانچ سو رسالے تھے۔

(سیرہ پیشوایان،مہدی پیشوای،۳۵۲)

خون شہادت کی پکار

مولانا ابوالکلام آزاد

طوفان نوحؑ لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

برادرانِ عزیز!

آج جس حادثۂ کبریٰ اور شہادت عظمیٰ کے تذکار و درس کے لئے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں، وہ وقائع و حوادث اسلامیہ کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے جو تاریخ اسلام کی اولین صدی سے لے کر اس وقت تک اپنے عجیب و غریب تاثر ماتم و درد اور حیرت انگیز بقائے ذکر و تاثیر کے لحاظ سے نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تمام حوادث مخزنۂ عالم میں ایک عدیم النظیر امتیاز رکھتا ہے۔

اگر وہ تمام آنسو جمع کئے جائیں جو سن ۶۱ سے لے کر اس وقت تک اس واقعۂ جاں سوز پر بہائے گئے ہیں۔ اگر وہ تمام درد آہ و فغاں سوز اں یک جا کیا جا سکے جو ان ۱۳ صدیوں کی لاتعداد ولاتحصیٰ اسلامی نسلوں کی صداہائے ماتم کے ساتھ بلند ہوتا رہا ہے۔ اگر درد و کرب کی وہ تمام چیخیں، اضطراب والم کی تمام پکاریں، سوزش و تپش کی وہ تمام بے قراریاں، اکٹھی کی جا سکیں جو اس حادثہ کبریٰ کی یاد نے ہزاروں، لاکھوں انسانوں کے اندر ہمیشہ پیدا کی ہیں۔ تو عزیزانِ ماتم شعار کون کہہ سکتا ہے کہ خون فشانہائے حسرت کا ایک نیا اٹلانٹک اور راوقیانوس سطح ارضی پر بہہ نہ جائے گا؟ دردِ آہ و فغاں کی ہزار ہزار بھٹیاں بھڑک نہ اٹھیں گی؟ اور درد والم کی چیخوں، حسرت کی صداؤں تڑپ کی بے چینیوں کے ہنگامۂ خونیں سے تمام عالم ایک شور زار نالۂ و بکا نہ بن جائے گا؟

پیامِ نو

تاہم میں جو پیام پہنچانے کے لئے آج آیا ہوں، وہ اس تذکرہ سے بالکل مختلف ہے۔ میں غم و الم کی شدت نہ کثرت کے بعد بھی آنسوؤں کی طلب ہوں۔ آہوں کی صدا ہوں، بے قراری کی پکار ہوں، اضطراب کی دعوت ہوں۔ اور آہ! آہ! اے صد ہزار آہ و حرماں کہ غم کے لئے بھوکا ہوں۔ اور درد و الم کے لئے یک قلم پیاسا ہوں۔

پس میں آج ان آنکھوں کا تذکرہ نہیں کرتا جو بہت رو چکی ہیں۔ مجھے ان آنکھوں کا سراغ بتلاؤ جواب بھی رونے کے لئے نم آلود ہیں، میں ان دلوں کی سرگزشت نہیں سناتا جو تڑپتے تڑپتے تھک چکے ہوں میں ان دلوں کی تلاش میں نکلا ہوں جو اب بھی تہ و بالا ہونے کے لئے مضطرب ہیں! مجھے ان زبانوں سے کیا سروکار جن کو فغاں سنجی ہائے ماضی کا ادعا ہے۔ آہ! میں تو اُن زبانوں کے لئے پکار رہا ہوں جن کے اندر غم و ماتم کی بھٹیاں سلگ رہی ہوں اور ان کا دھواں آج بھی کائنات نشاط نادانی کی اس تمام فضائے غفلت کو مکدر کر سکتا ہو جس کو عیش و عشرت کے قہقہوں میں درد و عبرت کی ایک آہ بھی نصیب نہیں!

نہ داغ تازہ می خارد، نہ زخم کہنہ می کارد
بدہ یارب دے، کیں صورت بے جانمی خواہم

ہاں، یہ سچ ہے کہ رونے والے اس پر بہت روئے، ماتم کرنے والوں نے ماتم میں کمی نہ کی آہ و نالہ کی صداؤں نے ہمیشہ ہنگامۂ الم کی مجلس طرازیاں کیں۔ اور یہ سب کچھ اب اتنا ہو چکا ہے جتنا آج تک شاید ہی دنیا کے کسی حادثۂ غم کو نصیب ہوا ہو۔

تاہم تم یقین کرو کہ بایں ہمہ اس حادثۂ عظمیہ کی دعوت اشک و حسرت اب تک ختم نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی دعوت درد کے اندر جو حقیقی طلب تھی وہ اب تک لبیک کے سچے استقبال سے محروم ہے۔

تیرہ صدیاں مع اپنے دوران محرم و عشرہ ماتم کے اس پر گزر چکی ہیں۔ لیکن اب تک خاک کربلا کے وہ ذرات خون آشام جن کو آج بھی اگر نچوڑا جائے تو خون شہادت کے مقدس قطرے اس سے ٹپک

سکتے ہیں۔ بدستور آنسوؤں کے لئے پکار رہے ہیں، خون فشانیوں کے لئے داعی ہیں۔ آہ وفغاں کے لئے تشنہ ہیں۔ اضطراب والتہاب کے لئے بے قرار ہیں۔ اور فضائے ریگ زار کرب وبلا کا ایک ایک گوشہ اب تک دیدہائے اشک فشاں جگرہائے سوختہ، ولہائے دونیم اور زبان ہائے ماتم سرا کے لئے اسی طرح چشم براہ ہے، جس طرح ۶۱ھ کی ایک آتش خیز دوپہر میں خون کی ندیوں کی روانی تڑپتی ہوئی لاشوں کے ہنگامہ احتضار، اور ظلم ومظلومی، جرح ومجروحی قتل ومقتولی کے ہنگامہ الیم کے اندر سے نالہ ساز طلب اور فغاں فرمائے دعوت تھا!

شدیم خاک ولیکن بیوئے تربت ما!
تواں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد

فغانِ دل کی ضرورت

لیکن اگر یہ دعوت درد محض اس پانی کے لئے ہے جو ندیوں کی جگہ آنکھوں سے بہے۔ اگر یہ طلب محض ان صداوں کے لئے جن کا غوغا درختوں کے جھنڈ، چڑیوں کے گھونسلوں، دریاؤں کی سیلان کی جگہ انسانوں کی زبانوں سے بلند ہو۔ اگر یہ انتظار الم محض اس ماتم کے لئے ہے جو پتھروں کے ٹکرانے کی جگہ انسانی دست وسینہ کی ٹکر سے ہنگامہ ساز ہو، تو اے برادران غفلت، شعار! اور اے چشمانِ خواب آلود! بلاشبہ یہ سب کچھ ہو چکا، اور بلاشبہ سوال کو جواب، دعوت کو لبیک اور طلب کو مطلوب مل چکا۔

اگر انسان کا بچہ بھوک سے روتا اور روٹی کے لئے آنکھوں کو سرخ کر لیتا ہے، تو انسان کے بڑے بڑے گروہ کیوں نہیں آنسو بہا سکتے؟

اگر درختوں کے جھنڈ ہوا سے ہک کر چند لمحوں کے لئے دنیا کو شوروغوغا سے لبریز کر سکتے ہیں۔ تو آدم کی اولاد اپنے آہ وبکا سے کیوں آسمان کو سر پر نہیں اُٹھا سکتی؟

اگر بے جان وبے روح پتھر دوسرے پتھر پر گر کر رعد وبرق کا ہنگامہ پیدا کر سکتا ہے۔ تو تم کہ روح وارادہ رکھتے ہو، اپنے دست ہائے ماتم کناں سے کیوں ایک ہنگامہ زار دہشت گرم نہیں کر سکتے؟

کیا تم کو دنیا کی آنکھوں کی خبر نہیں جو روتی ہیں، حالانکہ ان سے ایک آنسو بھی نہیں بہا۔

کیا تم نے ان زمانوں کے متعلق کچھ نہیں سنا جو چیختے ہیں حالانکہ انھوں نے ایک چیخ بھی نہ پائی؟ اور کیا تم نے ان جسموں کا تماشا نہیں دیکھا۔ جو تہ و بالا ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ایک تڑپ بھی نصیب نہ ہوئی؟

پھر کیا اس غفلت آباد ہستی میں وہ دل بھی نہیں ہیں جو گو دل ہیں۔ مگر دل نہیں ہیں۔ کیونکہ دل کی طرح نہیں سوچتے؟ کیا وہ کان بھی نہیں ہیں، جو گو سامع ہیں، مگر کان نہیں۔ کیونکہ سنتے نہیں؟ اور کیا ایسی آنکھیں بھی نہیں ہیں جو گو بصیر ہیں۔ مگر آنکھیں نہیں ہیں، کیونکہ نہیں دیکھتیں؟

"لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ" (اعراف:۱۷۹)

پس اے عزیزان من! دردالم کی یہ پاک دعوتیں صرف اس روانی آب تسلسل صدا اور ہنگامۂ غوغا ہی کے لئے نہیں ہوتیں جو آنسوؤں، فغاؤں اور نالوں کے نام سے ظہور میں آجائیں۔ اور اگر ان کا یہ مقصد ہوتا تو اس کے لئے انسان کی خصوصیت نہ تھی۔ کتنے ہی سمندر پانی سے بھرے ہوئے ہیں اور کتنے ہی جنگل شور و غوغا سے ہنگامہ زار ہیں۔

بلکہ یہ دعوت، یہ پکار، یہ طلب یہ "هل من مجيب" فی الحقیقت ان آنسوؤں کے لئے ہے جو صرف آنکھوں ہی سے نہیں بلکہ دل سے نہیں وہ ان آہوں کا دھواں مانگتی ہے جن کی لٹیں صرف منہ ہی سے نہیں بلکہ اعمال قلب سے اٹھیں وہ صرف ہاتھوں ہی کے ماتم کے لئے نہیں پکارتیں بلکہ دل کے ماتم کی محض ایک صدائے حقیقت کے لئے تشنہ ہے اگر تمہارے پاس اس کے لئے آنکھوں کا آنسو نہ ہو تو اسے کوئی شکایت نہیں۔ لیکن آہ، تمہاری غفلت، اگر تمہارے پہلوؤں میں کوئی زخم نہ ہو جس سے پانی کی جگہ خون بہے اگر تمہاری زبانوں کو درد کی چیخ نہیں آتی تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن آہ یہ کیا ہے کہ تمہارے دلوں کے اندر حقیقت شناسی کی ایک ٹیس عبرت کی ایک نگہ بصیرت کی ایک تڑپ، احساس صحیح و حق کا ایک اضطراب بھی نہیں ہے۔

طوفانِ نوحؑ لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

اللہ اللہ، سید الشہداء مظلوم کی مظلومی، اور یاللعجب غفلت و نادانی کی بوقلمونی! اس سے بڑھ کر دنیا میں مظلومی کی مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ دشمنوں اور دوستوں دونوں نے اس پر ظلم کیا۔ دشمنوں نے اس کی شہادت عظیمہ کی عظمت مٹانی چاہی ۔مگر دوستوں نے بھی اس کی شہادت کی اصلی حقیقت وبصیرت سے غفلت کی۔ دشمنوں نے اس پر ظلم کیا کیونکہ اس کی مظلومی پر انہیں رونا نہ آیا۔ پر ان دوستوں نے بھی ظلم کیا جو گو روئے، مگر اس کی اصلی تقدیس وشرف کے لئے سچائی اور عمل کا ایک آنسو نہ بہا سکے، دشمن تو دشمن تھے، اس لئے انہوں نے اس کی دعوت حق کو مٹانا چاہا۔ مگر دوست، دوست ہو کر بھی اس کی دعوت کی پیروی نہ کر سکے۔

"وتراهم ينظرون اليک وهم لا يصيرون"

پس سچا ماتم وہی ہے جو صرف ہاتھ ہی کا نہیں بلکہ دل کا ماتم ہو۔ اور دعوت درد کا اصلی جواب وہی ہے جو عبرت وبصیرت کی زبان سے نکلے۔ تمہاری آنکھیں اس حادثے پر بہت رو چکی ہیں مگر اب تک تمہارے دل کا رونا باقی ہے اور اگر رونا ہے تو اپنے دل کو رلاؤ، ورنہ صرف آنکھوں کی اس روانی کو لے کر کیا کیجئے جس میں دل کی ایک اشک افشانی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ حالانکہ انسان کی ساری کائنات حیات صرف دل ہی کی زندگی سے ہے۔

"فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ" (حج:۴۶)

نئی صف ماتم

مجھے ڈر ہے دل زندہ کہ تو نہ مرجائے

کہ زندگانی عبادت ہے تیرے جینے سے

پس آؤ، اس حادثۂ عظیمہ پر غور وفکر کی ایک نئی صف ماتم بچھائیں۔ اور ان حقیقتوں اور بصیرتوں کی جستجو میں نکلیں جن سے آنکھوں کی اشک افشانیوں سے زیادہ روح پر ماتم طاری ہوتا ہے۔

سب سے پہلی چیز جو اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ اس واقعہ کی یادگار اور اس کا دائمی تذکار ہے۔

دنیا میں ہر قوم نے اپنے ماضی کے ان واقعات وحوادث کی ہمیشہ تعظیم کی ہے۔ جن کے اندر قوم

وملک کے لئے کوئی غیر معمولی تاثیر یا تبصرت پائی جاتی تھی اور ہمیشہ ان انسانی برائیوں اور عظمتوں کی یاد کو یادگاروں، تہواروں، عمارتوں، تاریخوں، قومی روایتوں اور قومی مجموعوں کے انعقاد کے ذریعہ زندہ رکھنا چاہا۔ جن کے اندر خود اس قوم کی عظمت اور بڑائی پوشیدہ ہے۔

پہلی چیز جس کو تمام اقوام متحدہ نے ''مشاہیر پرستی'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہی چیز ہے کہ ہر قوم اپنی قومیتوں کے بڑے بڑے بانیوں، مذہبی معلموں، محب الوطنوں اور قومی شہیدوں کی یاد کو کبھی بھی مفقود ہونے نہیں دیتی۔

ہومرؔ نے ایلیڈ لکھی۔ سیالڈیا کے حجری کتب خانے میں دو اینٹیں رکھی گئیں جن پر ناموران ملت کے مناقب ومحامد کندہ تھے۔ عرب جاہلیت نے اپنے سلسلہ انساب کا ایک حرف ضائع ہونے نہ دیا اور ذوالمجاز اور عکاظ میں اسلاف کے مفاخر ومعالی کی داستان سرائی قائم کی۔ مصریوں نے ایسے ایسے منار بنائے جو ہزاروں برسوں کے بعد بھی اپنی تعمیر اولین کی طرح محکم واستوار ہیں۔ اور پھر ان کے اندر اپنے ناموروں کی لاشوں کو حنوط (ممی) کر کے محفوظ کر دیا ہندوستان نے اپنے مہابھارت کے معرکے کو قومی روایتوں میں داخل کر دیا اور رو المیک کی سحر طرازیوں نے نسلی مفاخر کی روح کو پژمردگی سے بچایا۔ اقوام قدیمہ کے یہ تمام اعمال صرف اسی حقیقت کے لئے تھے کہ اسلاف ومشاہیر کی یاد زندہ وقائم رکھی جائے۔

آج اوقیانو کا بحری مسافر واشنگٹن کے بت کو ساحل امریکہ سے دیکھ کر دور سے پکار اُٹھتا ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے شہروں اور ان کی محکوم نو آبادیوں کی شہراہوں اور باغوں میں جا بجا سنگی بت نصب نظر آتے ہیں۔ شیکسپیر کا مولد اب تک قائم ہے ملٹن و میز کو مرنے نہیں دیا جاتا جانسن کے آثار اب بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے میدان میں ایک جگہ یہ سنگی کتبہ تم پڑھو گے'' پاک منبر نبی نے یہاں اپنا بچپن گزارا تھا۔''

یہ سب کچھ بھی اسی مشاہیر پرستی کی ایک زیادہ خوش نما اور دلفریب شکل ہے۔ جو پہلے محض قومی روایتوں اور افسانہ طرازیوں کے ذریعہ قائم رکھی جاتی ہے۔

لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اس تذکار و یادگار کا اصلی مقصد کسی واقعہ کو محض یاد رکھنا، یا کسی نام کو

فراموش نہ ہونے دینا ہی نہیں تھا۔ بلکہ کچھ اور ہی مقصد تھا۔ کیونکہ اگر یہی مقصد ہوتا تو اس کے لئے کسی خاص نام، کسی خاص واقعہ کسی خاص حادثہ میں کوئی ممتاز خصوصیت نہ تھی، پچھلوں کو اگر محض یاد ہی رکھنا ہے تو اس کے لئے بڑا اور چھوٹا۔ ادنیٰ و اعلیٰ نیک و بد سب یکساں ہیں کون سی وجہ ہے کہ کارتھیج کے مشہور ہنے بال کو یاد رکھا جائے اور ٹیٹس کو یاد نہ رکھا جائے، جو اسی عہد میں گزرا تھا۔

دعوتِ عمل

سو وہ اصلی روح حقیقت جو اجتماع انسانی کی اس سب سے زیادہ پرانی رسم کے اندر کام کر رہی ہے اور اصل ناموں وجودوں شخصیتوں اور محض تذکرہ و یاد آوری سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ اس سے اصلی غرض یہ تھی کہ جو اعمال حسنۂ عزائم مہمہ، نتائج عظمیہ، اور بصائر و مواعظ جلیلہ ان مشاہیر اور ناموروں کی زندگی سے وابستہ ہیں، اور جن کی یاد اور تذکرہ کے اندر قوموں اور ملکوں کے لئے سب سے زیادہ موثر اور نافذ دعوت عمل و اتباع ہے، ان کی یاد کو ہمیشہ حی و قائم رکھا جائے اور مختلف ذریعوں سے ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں جن کی وجہ سے کبھی بھی آئندہ نسلیں ان اعمال حسنہ کے نمونوں کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ وَ ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰي تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ

> پس سچا ماتم وہی ہے جو صرف ہاتھ ہی کا نہیں بلکہ دل کا ماتم ہو اور دعوت درد کا اصلی جواب وہی ہے جو عبرت وبصیرت کی زبان سے نکلے تمہاری آنکھیں اس حادثے پر بہت رو چکی ہیں مگر اب تک تمہارے دل کا رونا باقی ہے۔

★★★★★

تعاون کی گذارش

تمام صاحبان قلم اور شعراء کرام سے گذارش ہے کہ مذہبی وسماجی موضوعات پر اپنے رشحات قلم ہدیٰ مشن کو ارسال فرمائیں

عالیجناب مولانا سید شمشاد حسین رضوی اُترولوی صاحب

یہ آواز کس کو کہنے کا حق ہے اور کس کو نہیں؟؟ جو اصول دین اور فروع دین پر گامزن ہے یا کسی بھی طرح کسی پر بھی نہیں۔۔۔! کون دعویدار ہے اور کون عملی جامہ پہنے ہوئے ہے کون انگشت نمائی کرے اور کس کو محاسبہ کا حق دیا گیا ہے۔بس ہم ہیں اور بس ہم۔۔ یا میں ہوں اور میں ہی۔۔۔دوسرا کوئی نہیں۔؟ سماج کتنا بیمار ہے، معاشرہ میں کتنی عفونت پھیلی ہوئی ہے، کون معالج اور کون طبیب۔۔! سب کے پاس دوا ہے اور ہر ایک کو مشورہ دینے کا اختیار ہے، مشیر و مستشار کا فرق معلوم نہیں، آسمان کے قلابے جوڑے بیٹھے سر دُھن رہے ہیں۔

جس نے "ھل من ناصر ینصرنا" کی "آوازِ استغاثہ" بلند کی تھی وہ صدا بہ صحرا نہ ہوئی۔۔۔ دشت وجبل نے لبیک کہا، طیور و وحوش نے اس آواز پر صحرائے کربلا میں حاضری دی، جن و ملائک اور کروبیوں نے گریہ وبکا کر کے امامؑ سے لڑنے کی اجازت چاہی، ارواحِ انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام نے لبیک کہا اور سب کی ایک مشترک آواز تھی: "یا حسینؑ"، "یا حسینؑ"، "یا حسینؑ" "یا حسینؑ"، "یا حسینؑ"۔۔۔۔۔۔۔!!

مگر نہ کہی "یا حسینؑ"، تو اُن سنگ دل مُردہ دلوں نے جو بظاہر انسان تو تھے مگر چلتی پھرتی لاشیں تھیں۔کیا ہم بھی اپنی گردنوں پر اپنے سروں کو بوجھ محسوس نہیں کرتے جو مقصدِ حسینؑ میں دینے کے لئے کسی بھی وقت حاضر نہیں، فقط دعویٰ بے دلیل، کیا حضرت امام حسین علیہ السلام اب بھی ہم سے کچھ

مانگ رہے ہیں؟؟ اگر ''ہاں'' تو اس کا کیا جواب ہے۔۔۔اور اگر ''نہیں'' تو پھر اس ''یا حسینؑ'' کا مقصد کیا ہے۔ہم اپنی حاجتیں ان کے توسط سے طلب کر رہے ہیں اور خوش و مطمئن ہو رہے ہیں، یا انھیں کچھ دے رہے ہیں۔؟ بڑے سوالات وتساؤلات ہیں۔ کس کس سے اور کس سے نہیں؟ صرف مردوں سے ہے یا عورتوں سے۔؟ جوانوں اور بوڑھوں سے یا صحت منداور بیماروں سے۔؟ بھوکوں اور شکم سیر لوگوں سے، پیاسوں اور سیرابوں سے۔؟

فقراء اور ثروت مندوں سے۔؟ خوشحال لوگوں اور پریشان حال لوگوں سے۔؟ طلاق شدہ یا بیوہ سے۔؟ کنوارے اور شادی شدہ سے۔؟ بے اولاد اور اولاد والے سے۔؟ بے پردہ یا باپردہ سے۔؟ امتحان میں پاس ہونے والے اور فیل ہونے والے سے۔؟ عوام اور خواص سے۔؟ جاہل اور عالم سے۔؟ عالمِ باعمل اور عالم بےعمل سے۔؟ مجتہد اور مقلد سے۔؟ واعظ و مبلّغ سے یا سامع و مستمع سے۔؟ نمازی وروزہ دار یا تارک الصلوٰۃ وروزہ خور سے۔؟ حاجی یا زائر اور پیسے کے لالچی اور کنجوس سے۔؟ اخباری اور ملنگ سے یا شہادتِ ثالثہ کے قائل و مروّج یا صحیح تشہد پڑھنے والے اور مدافع سے۔؟ دیندار اور بے دین سے۔؟ زنجیر و قمع کے معتقد و عامل سے، یا نام حسینؑ پر انسانیت کے نام خون دینے والے سے۔؟ جان بوجھ کر بےعمل و بدکردار یا لاشعور اور غافل سے۔؟

وغیرہ وغیرہ۔۔۔طبقہ بندی اور درجہ بندی بہت ہے اور بہت کی جاسکتی ہے۔مگر سوال وہیں پر ابھی تک موجود ہے کہ کسے یہ آواز ''یا حسینؑ'' کہنے کا حق ہے اور کس کو نہیں یا پھر سب کو ہے۔۔۔؟؟

جواب ہرایک کے پاس ہے اور ہر کوئی کہنے کا حق بھی رکھتا ہے۔اس میں ''صرف اور صرف'' ایک بات ہے اور وہ ہے ''انصاف کے ساتھ احتساب کی'' یا ''اپنے آپ کو گریبان میں جھانکنے کی'' ۔۔۔! نہ کوئی ماننے کو تیار ہے اِلاّ معدودِ چند کے۔(اللہ انھیں جزائے خیر دے)۔مگر کچھ تو ہیں کہ سب چیز کی ٹھیکیداری لئے بیٹھے ہیں۔ خاندان پرستی، جاگیرداری، ''ہم چنیں دیگرے نیست'' ریاست طلبی۔۔۔مجھے نہ کچھ کہو کیونکہ میں سب کو کہہ سکتا ہوں۔۔۔مجھ میں کوئی عیب نہیں دوسرا ہی قصوردار اور خطاکار ہے۔۔۔دوسروں کا حق مارے بیٹھے ہوئے ہیں مگر اس طرف کسی کا کوئی ذہن جاتا نہیں۔ غاصبِ حقوق الناس ہی نہیں بلکہ غاصبِ حقوق اللہ ورسولؐ اور اہلبیت علیہم السلام بھی۔۔۔۔!

قول مولا حسینؑ: "کیف استسقی لطفلی" میں اپنے بچے کے لئے کس طرح پانی طلب کر رہا تھا۔۔۔ واقعی یہ جملہ زیادہ اہم اور وزنی ہے یا آواز استغاثہ: "ھل من ناصر ینصرنا" کون ہے جو میری مدد کو آئے۔۔۔ یہ تو معصومؑ ہی کی زبان بتا سکے گی۔ مگر خود مولاؑ نے جب کسی صحابی کو (شبِ عاشور یا روزِ عاشور) کربلا سے چلے جانے کی اجازت دے دی تھی تو یہی فرمایا تھا کہ: تم اُن حدود سے بہت پہلے باہر نکل جاؤ جہاں تک میری آواز استغاثہ تمھارے کانوں تک پہنچے۔ یہ امر واقعی ہے کہ "آواز استغاثہ" کی بہت ہی اہمیت ہے۔ اب موضوع "لبیک" کا شروع ہوتا ہے اور نفس امارہ کی اطاعت اور اسے رب بنانے کی بات ہے۔ (سورہ فرقان آیت ۴۳)

دیکھنا ہے کہ اب ہم کہاں ہیں۔۔۔ خدانخواستہ نہ کسی پر جارحانہ حملہ ہے اور نہ ہی بدظنی اور غلط فہمی کا شکار ہونے کی۔۔۔ بات یہ ہے کہ ہم "لبیک" کہہ رہے ہیں تو مفہوم لبیک ادا کر پا رہے ہیں یا نہیں۔ زبانی ہے یا حلق سے نیچے اتارا بھی ہے۔

ہاں آیئے ایک بار صحیح "توبہ واستغفار" کریں اور حضرتِ حُرؑ کے غلام و بیٹے کے نقش قدم نہیں پر ہی نہیں، بلکہ ان کے پاؤں کے تلووں کی خاک کو سُرمہ بنانے کا عقیدہ دلوں میں راسخ کریں پھر تو "یا حسینؑ" کی صدا بھی اچھی لگے گی اور امامؑ بھی اسی طرح جواب دیں گے جیسا کہ "ایک جوان صالح اپنے والدین کو کاندھے پر بٹھا کر کربلا زیارت کرانے لایا اور خلوص کی اس وقت معراج تھی کہ جب اس جوان نے "السلام علیک یا ابا عبد اللہ" کہہ کر سلام کیا تو مولاؑ نے ایسا جواب دیا کہ پورے حرم نے سنا۔ اور وہ "مجاب" (یعنی جس کو جواب ملا) کے نام سے مشہور ہوا۔

اے کاش ہماری زندگیاں ایسی ہوں کہ مولاؑ کی بارگاہ میں جائیں تو یہ سوچیں کہ اب ہم کہاں کھڑے ہیں اور کس کو سلام کر رہے ہیں۔؟ یہ کربلا میں ہی نہیں بلکہ ہر جگہ سے یہی خیال ہونا چاہئے کہ وہ ہر جگہ اور ہر وقت ناظر ہیں۔ جیسا کہ ہمارے امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف نے فرمایا ہے کہ ہم تمھارا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ بس اس فکر و عمل میں "یا حسینؑ" کہنا کامیابی کی دلیل ہوگی۔

اللھم ارزقنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

★★★★★

شیعہ اور عزاداری

عالیجناب مولانا محمد حسن معروفی صاحب

تشیع کے معانی نسبت، مشایعت، متابعت اور ولاء کے ہیں، لفظ شیعہ قرآن میں کئی جگہوں پر آیا ہے۔ مثلاً سورہ صافات کی آیت نمبر ۸۳ میں لفظ شیعہ یوں استعمال ہوا ہے۔ "وَاِنَّ مِن شِیعَتِہٖ لَاِبرَاھِیمَ" ان (نوح) کے شیعوں میں ابراہیم بھی ہیں جب وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ آئے۔

لیکن اسناد تاریخ اسلام میں لفظ شیعہ اہل بیت رسولؐ سے محبت و نسبت اور ان کے مکتب سے تعلق رکھنے والوں کے لئے شہرت پا چکا ہے۔ یعنی ولاء اہلبیت رکھنے والوں کو شیعہ کہا جاتا ہے اور "ولاء" کے بہت سارے عناصر ہیں جنکے اجتماع سے ولاء کا واقعی مفہوم وجود پاتا ہے لیکن اس مضمون میں سارے عناصر ولاء پر گفتگو ممکن نہیں ہے کچھ عناصر جو ہمارے موضوع سے متعلق ہیں ان کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا۔

رنج وغم اور خوشی ومسرت:

یہ دونوں اصل میں "ولاء" کی دو اصالت کا نام ہے یعنی یہ دونوں ولاء اور محبت کی نشانیاں ہیں اس لئے کہ جب کوئی شخص کسی سے محبت کرتا ہے اور محبت حسن تدریجی پاک پاکیزہ اور شدید ہوتی ہے اسی کے اعتبار و مناسبت سے محبت کرنے والا محبوب کے رنجور و مغموم ہونے سے خود بھی مغموم و رنجور ہوتا

ہے اور محبوب کے سرور و خوشی سے مسرور اور خوش ہوتا ہے اور ایسا ہونا سچی محبت کی روح و جان اور دوسروں کے لئے پہچان ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ فرمان بطور تائید پیش ہے۔

ہمارے شیعہ ہم سے ہیں ان کو بھی انھیں چیزوں سے رنج واذیت ہوتی ہے جن سے ہمیں رنج ہوتا ہے اور انھیں چیزوں سے مسرور ہوتے ہیں جن سے ہم مسرور ہوتے ہیں۔

(امالی طوسی ج ۱ ص ۳۰۵)

ہمارے اوپر ہونے والے ظلم پر رنجیدہ ہونے والے کی سانس تسبیح، ہمارے لئے اہتمام کرنا عبادت اور ہمارے راز کو چھپانا راہ خدا میں جہاد ہے۔ (امالی مفید ص ۲۰۰)

اسی طرح بکر بن محمد ازدی نے امام صادق علیہ السلام سے ہی روایت کی ہے کہ آپ نے فضل سے فرمایا کیا تم لوگ کہیں جمع ہو کر بیٹھتے اور ہمارا ذکر کرتے ہو تو فضل نے جواب میں کہا: ہماری جانیں آپ پر قربان ہاں ہم ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہم ایسی مجلسوں کو پسند کرتے ہیں لہٰذا تم لوگ جمع ہو کر ہمارے امر کو زندہ کرو اور خدا اس پر رحم کرے جس نے ہمارے امر کو زندہ کیا۔

(بحار الانوار ج ۴۴، ص ۲۸۲)

گویا ولاء اہلبیت کا عظیم عنصر عزاداری ہے اور آج پوری دنیا میں عزاداری ہی سے شیعہ قوم جانی اور پہچانی بھی جاتی ہے یعنی اسلام کے تمام احکام مسلمان ہونے کی علامت ہیں تو عزاداری ہی شیعہ ہونے کی پہچان ہے کیونکہ شیعہ کا مطلب ہے "ولاء اہلبیتؑ رسولؐ" اور ولاء کی علامت اور نشانی محبوب کے غم و خوشی کا عملی مظاہرہ ہے۔

شیعہ ہونے کی ذمہ داری:

جب کسی فرد یا شخص کے ساتھ کوئی عنوان منسلک ہوجاتا ہے تو وہ عنوان اس کی ذمہ داریوں اور فرائض کا اعلان ہوتا ہے، مثلاً کسی شخص کے ساتھ عالم، معلم، قاضی، صدر، سکریٹری، انجینئر، ڈاکٹر، تاجر، کسان، سپاہی یا کلرک وغیرہ، جس کے ساتھ جو عنوان بھی منسلک ہے اس صاحب عنوان کو ہمہ وقت، ہمہ تن متوجہ رہنا چاہئے کہ میرا عہدہ یا مجھ سے منسلک میرا عنوان مجھ سے کیا کہہ رہا ہے کیا چاہتا ہے، اس لئے کہ عہدہ و عنوان کے مطابق عمل کرنے والا انسان ہر جہت سے کامیاب و کامران رہتا ہے اور

کامیابی وکامرانی عزت ورفعت انسان کی دیرینہ آرزو ہوتی ہے۔

جس طرح سے ایک فرد یا شخص صاحب عہدہ یا عنوان سے منسلک ہوتا ہے اسی طرح ایک سماج معاشرہ یا فرد کسی عنوان سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ مثلاً مذاہب ومسالک یا قوم وملت سے منسوب شیعہ، سنی، یہودی، عیسائی یا ہندوستانی ایرانی یا پاکستانی جیسے عناوین۔ ایسے عناوین انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی ذمہ داریوں کی علامت ہوتے ہیں جو صاحبان عناوین کو دعوت دیتے ہیں۔

کامیاب سماج ومعاشرہ یا قوم وملت بننے اور بنانے کے لئے ذمہ داریوں پر عمل ضروری ہے اور شیعہ ہونا تو بہت ہی ذمہ داری کی علامت اور ذمہ دار ہونے کا اعلان ہے۔ اس لئے کہ مسلک شیعہ میں ایمان کی تعریف صرف زبان سے اقرار اور قلبی اعتبار ہی نہیں ہے بلکہ اعضاء وجوارح سے عمل بھی ایمان کی تعریف کا جزء ہے۔ لہٰذا جو اپنے کو شیعہ کہتا اور سمجھتا ہے اسے اپنی ذمہ داریوں کو بھی جاننا اور سمجھنا اور سمجھ کر عمل کرنا بھی چاہئے ہے، اسے ہر وقت اپنے سے سوال کرتے رہنا چاہئے کہ میں کتنا ذمہ دار ہوں اور کس قدر ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو رہا ہوں۔

شیعہ معصومینؑ کی نظر میں:

اس سلسلہ میں معصومین علیہم السلام سے کثرت کے ساتھ احادیث ہیں اور ہر حدیث اور قول معصوم کسی نہ کسی عنوان سے شیعہ ہونے کی علامت یا ہونے کی ذمہ داری کو بتاتا ہے یہاں صرف ایک حدیث اور اس پر تجزیہ پیش ہے۔

محمد بن عمران نے اپنے والد سے انھوں نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امامؑ نے فرمایا: میں ایک دن اپنے والد (یعنی امام محمد باقر علیہ السلام) کے ہمراہ مسجد گیا تو دیکھا منبر اور قبر رسول کے مابین آپ اصحاب (شیعہ) کی ایک جماعت بیٹھی ہے میرے والدؑ ان کے قریب گئے اور سلام کے بعد فرمایا میں تمہاری خوشبو اور روحوں کو دوست رکھتا ہوں اس سلسلے میں تم ورع وتقویٰ اور سعی وجانفشانی کے ذریعہ میری مدد کرو۔ (بحار الانوار ج ۶۸ ص ۶۶)

اس حدیث میں دو جملے بہت قابل توجہ ہیں۔

۱: میں تمہاری خوشبو اور روحوں سے محبت کرتا ہوں۔

۲: ورع وجانفشانی کے ذریعہ میری مدد کرو۔

پہلا جملہ امامؑ کی طرف سے محبت کی غمازی کرتا ہے کہ وہ اپنے شیعوں میں جنت کی خشبو پاتے ہیں محبت کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ بلیغ جملہ شاید ممکن نہیں ہے۔

اور دوسرے جملے میں طرفین کی محبت میں دوام واستحکام کے اصول وضوابط بتائے ہیں کہ ورع و تقوی اور طاعت وعبودیت کے دریعہ ہماری مدد کرو۔

یعنی اہلبیت علیہم السلام کی اپنے شیعوں سے محبت کی مثال ایسی ہے جیسی باپ کی محبت اولاد سے ہوتی ہے اور باپ چاہتا ہے کہ بیٹا اپنے اخلاق وآداب سے میری محبت کا اہل رہے کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے باپ کی عزت پر حرف آئے اور باپ کی محبت کم یا ختم ہوجائے، اس لئے امامؑ نے ارشاد فرمایا ہے تم جانفشانی سے ہماری مدد کرو۔

اہمیت عزاداری سید الشہداءؑ:

عزاداری کی اہمیت وعظمت اظہر من الشمس ہے اور جیسا کہ میں نے ذکر بھی کیا کہ شیعہ کا مطلب ہے ولاء اہلبیتؑ اور اور ولاء کی علامت وپہچان ہے محبوب کے غم میں مغوم ہونا اور خوشی میں خوش ہونا تو عزاداری ہی شیعہ ہونے کا عملی اعلان ہے خود معصومین علیہم السلام نے عزاداری کی ہے اور حکم بھی دیا ہے اور عزاداری کے ثواب وانجام کو بھی بتایا ہے۔

ریان بن شبیب راوی ہیں کہ میں محرم کی پہلی تارخ کو امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ایک طویل حدیث کے بعد فرمایا: اے فرزند شبیب اگر تمہیں کسی چیز پر رونا آئے تو امام حسینؑ پر رونا اس لئے کہ انہیں بڑی بے دردی سے ذبح کیا گیا ہے اور ان کے اہلبیتؑ سے اٹھارہ ایسے مرد قتل ہوئے ہیں جن کی مثال روئے زمین پر نہیں ہے۔

فرزند شبیب اگر تم جنت کے محل میں انہی کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو قاتلان حسینؑ پر لعنت کرو شبیب کے بیٹے اگر تم حسینؑ کے ساتھ شہید ہونے والوں کا ثواب حاصل کرنا چاہتے ہو تو جب بھی حسینؑ کی یاد آئے یہ کہا کرو۔ "یَالَیتَنِی کُنتُ مَعَھُم فَأَفُوزَ فَوزاً عَظِیماً"

فرزند شبیب اگر تم جنت کے بلند درجات میں ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو ہمارے غم میں غم

اور ہماری خوشی میں خوشی مناؤ اور ہماری ولایت سے متمسک رہو کیونکہ اگر کوئی شخص پتھر سے بھی محبت کریگا تو خدا روز قیامت اسی کے ساتھ محشور کریگا۔ (امالی صدوق، ص ۷۵، مجلس ۲۷)

مذکورہ حدیث میں یہ جملہ بہت قابل توجہ ہے جس سے جنت اور عمل میں ربط کا پتہ چلتا ہے۔

"يَا ابْنَ شَبِيبٍ إِنْ سَرَّكَ أَنْ يَكُونَ لَكَ مِنَ الثَّوَابِ مِثْلُ مَا لِمَنِ اسْتُشْهِدَ مَعَ الْحُسَيْنِ فَقُلْ مَتَى مَا ذَكَرْتَهُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزاً عَظِيماً"

فرزند شبیب! اگر تم امام حسینؑ کے ساتھ شہادت کا درجہ پانے والے کا ثواب حاصل کرنا چاہتے ہو تو جب بھی امامؑ کو یاد کرو تو یہ کہا کرو: (کاش کہ میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو عظیم کامیابی حاصل کرلیتا)

بلاشک وشبہ نیت وعمل میں بہت گہرا ربط ہے اگر نیت سچی اور حقیقی ہو اور نیت کے مطابق عمل کا موقعہ دنیا کی زندگی میں نہ آسکے تو قیامت کے دن اللہ اس سچی نیت کو عمل قرار دیکر اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

جیسا سید رضیؒ نے نہج البلاغ میں نقل فرمایا ہے کہ جب اللہ نے اہل جمل پر حضرت علیؑ کو فتح عطا کی تو آپ کے ایک صحابی نے آپ کے پاس آکر کہا، اے کاش کہ میرا فلان بھائی بھی ہوتا اور آپؑ کی اس فتح وکامرانی کو دیکھتا جو اللہ نے آپؑ کو دی ہے، امامؑ نے پوچھا کیا تمہارا بھائی ہمیں دوست رکھتا ہے؟ اس شخص نے کہا، ہاں! تب امامؑ نے فرمایا وہ موجود تھا اور وہ تنہا نہیں تھا بلکہ وہ سارے لوگ تھے جو ہمارے چاہنے والے صلبوں اور رحموں میں ہیں۔

جس طرح اللہ نیک نیت کو نیک عمل کی جگہ قرار دیتا ہے ویسے ہی کسی کے برے اعمال پر انصاف اور اس کے خلاف صدا بلند نہ کرنے والوں کو بھی بروں کے زمرے میں شمار کرتا ہے۔

جیسا کہ محمد بن الارقط راوی ہیں کہ میں نے مدینہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کی تو آپؑ نے مجھ سے پوچھا۔ تم کوفہ سے آئے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، آپؑ نے دوسرا سوال کیا کہ کیا تم امام حسینؑ کے قاتلوں کو بھی دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: میری جان آپ پر قربان میں نے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ اگر قاتلان حسینؑ کو نہیں دیکھا یا نہیں دیکھتے تو کیا قتل حسینؑ کے ذمہ داروں کو بھی نہیں دیکھتے؟ کیا تم نے اللہ کا ارشاد نہیں پڑھا ہے:

"قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ"

(آل عمران: ۱۸۳)

اس آیۂ کریمہ میں اللہ نے اپنے حبیب کے ذریعہ جن لوگوں کو مخاطب کیا ہے اور پوچھا ہے تم لوگوں نے نبیوں کو کیوں قتل کیا؟ تو کیا واقعاً ان لوگوں نے قتل کیا تھا جب کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مصطفیٰؐ کے درمیان کوئی نبی تھا ہی نہیں، اصل میں لوگ رسول کے قتل پر راضی تھے قاتلوں کے خلاف آواز نہیں بلند کرتے قاتلوں سے بیزاری کا اعلان نہیں کرتے تھے۔

> اسلام کے تمام احکام مسلمان ہونے کی علامت ہیں تو عزاداری ہی شیعہ ہونے کی پہچان ہے کیونکہ شیعہ کا مطلب ہے "ولاء اہلبیتؑ رسولؐ" اور ولاء کی علامت اور نشانی محبوب کے غم وخوشی کا عملی مظاہرہ ہے۔

اس روایت سے واضح ہے کہ عزاداری ایک رسم نہیں بلکہ ظلم، ظالم، قتل اور قاتل سے اعلان برائت ہے اس لئے عزاداری کی اہمیت عبادت جیسی ہے۔

سلیقۂ عزاء اور نتیجہ عزاء:

کسی بھی عمل کی غرض وغایت بہر حال ہوتی ہے اور غرض وغایت تک پہونچنے کے لئے عمل کا طور طریقہ اور سلیقہ ہوتا ہے کبھی طور طریقہ ہمیشہ کے لئے معین کردیا جاتا ہے بلکہ غرض وغایت کا حصول اسی معین طریقہ کو اپنانے سے ممکن ہے عمل میں ذرا سی بھی تبدیلی نتیجہ سے دوری کا سبب ہوجائیگی جیسے نماز روزہ حج وغیرہ۔

لیکن بعض اعمال کی بجاآوری کے طور طریقے زمان ومکان سے وابستہ ومربوط ہوتے ہیں جیسا وقت اور جیسا زمانہ ہو اس کو پیش نظر رکھ کر اسی کے مطابق عمل کیا جائے تو بہتر نتیجہ حاصل ہوگا جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا کوئی معین طریقہ نہیں ہے بلکہ حالات، زمان ومکان کمیت وکیفیت وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے عملی اقدام کی شکل وصورت اور طور طریقہ اختیار کیا جائیگا۔

عزاداری بھی بلا مقصد اور بلا غرض وغایت نہیں ہے البتہ اس کا کوئی معین ومرتب طور طریقہ نہیں

ہے بلکہ مقصد اور غرض وغایت تک اچھے اور موثر انداز میں پہونچنے کے لئے زمان ومکان اور حالات کو دیکھتے ہوئے سلیقۂ عزاء اختیار کرنا چاہئے اور یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ جب عمل کرنے والا اور عمل کے ذریعہ دوسروں کو دعوت دینے والا خود عمل سے پوری طرح متاثر نہ ہوگا دوسروں کو متاثر نہیں کرسکتا ہے۔ بہر حال سلیقۂ عزاء زمانی ومکانی ہے اور نتیجہ عزا یزیدیت یعنی برائیوں سے عملی چھٹکارا ہے اور حسینیت بھی اچھائیوں سے عملی لگاؤ ہے۔

★★★★★

ہدیٰ مشن

ممبرشپ فارم

مصباح الہدیٰ (اردو) -/200	مصباح الہدیٰ (ہندی) -/200	ماہنامہ طوبیٰ -/300

Name: Mr./Mrs./Miss

Father/Husband'sName:

Address:

City/Vill.: Post :

Distt.: State:

Pin: Mobile No:

Phone e-mail:

मौजूदा सब्सक्राइबर्स अपनी कस्टमर ID लिखें: Date .... Signature..................

Huda Mission, Shifaat Market, Zahra Colony, Muftiganj, Lucknow-3
9415090034, 9451085885, 8726254727

رقم کے ہمراہ اس فارم کی کاپی روانہ فرمائیں

تحریر: حجۃ الاسلام والمسلمین آقای علی اصغر رضوانی
ترجمہ: منظر صادق زیدی

شیعوں پر کئے جانے والے بے بنیاد اعتراضات میں سے ایک الزام یہ بھی ہے کہ امام حسینؑ کے قاتل خود شیعہ ہی تھے۔ آخری دور میں اس الزام کا رواج نسبتاً زیادہ ہوگیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ کربلا میں موجود عمر سعد کے لشکر کا بڑا حصہ کوفیوں کا تھا اور اس زمانہ میں کوفہ، شیعیان علی ابن ابی طالبؑ کا مرکز تھا۔ لہذا شیعہ جو عزاداری اور گریہ و ماتم کرتے ہیں درحقیقت یہ اشک ندامت ہے کہ انھوں نے فرزند رسولؐ کو قتل کر ڈالا۔

سید علی جلال حسینی مصری اپنی کتاب ''الحسینؑ'' میں تحریر کرتے ہیں کہ ''امام حسینؑ کے سلسلہ میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان کے شیعوں نے ہی انھیں قتل کر ڈالا اور پھر خود ہی ان کی شہادت کے دن پوری دنیا میں عزاداری کرتے ہیں اور ان کا سوگ مناتے ہیں۔'' (اعیان الشیعہ ج ۱ ص ۵۸۴، ۵۸۵)

آیئے ہم اس مسئلہ کا تجزیہ کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ امام حسینؑ کے قاتل کون تھے؟ اور ان کا مذہب کیا تھا؟

تشیع کے پہلو

اکثر و بیشتر مختلف جہات اور اعتبار سے لوگوں کی جانب تشیع کی نسبت دی جاتی رہی ہے اور لوگوں کو شیعہ کہا جاتا رہا ہے جن میں سے چار اعتبار نمایاں نظر آتے ہیں۔

۱۔ تفضیل کے قائل

تفضیلی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؑ تمام صحابہ حتی کہ خلفاء سے بھی افضل و برتر تھے نیز یہ کہ خوارج، اصحاب صفین اور اصحاب جمل کے ساتھ جو جنگیں ہوئی ہیں ان میں آپؑ ہی حق پر تھے۔

تاریخ اسلام میں ایسے افراد کل بھی تھے اور آج بھی ہیں کہ جو ایک خاص سیاسی فکر کے قائل ہیں۔ یہ حضرات اہلبیتؑ کی رہبری و قیادت کو تسلیم تو کرتے ہیں مگر اس بناء پر نہیں کہ ائمہ معصومینؑ منصوص و منصوب من اللہ ہیں بلکہ اس عنوان سے تسلیم کرتے ہیں کہ ائمہ معصومین سب سے افضل و برتر ہیں۔ ان حضرات کو ہم ''سیاسی شیعہ'' بھی کہہ سکتے ہیں۔

بہت سے تابعین اور محدثین کے یہاں یہ طرز فکر پایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ اہلبیتؑ اطہار کو سیاسی اور حکومتی معاملات میں دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں لہذا ان کو سیاسی شیعہ کہا جاتا ہے برخلاف اہلسنت کے اس گروہ کے جو بہر صورت حکومت و خلافت کے طرفدار ہیں۔

یہ نظریہ اہل سنت کی رجال اور جرح و تعدیل کی کتابوں میں بھی نظر آتا ہے اس لئے کہ پہلی، دوسری اور تیسری صدی کی بہت سی شخصیات کو محض اسی معیار کی بناء پر ''شیعہ'' قرار دے دیا گیا اور بہت سے افراد کا تعارف ''فیہ تشیع یسیر'' (ان میں تھوڑی شیعیت پائی جاتی ہے) سے کرایا گیا ہے۔ اہل سنت کی یہ وہی شخصیات ہیں جو امیر المومنینؑ کو دیگر خلفاء خصوصاً عثمان سے افضل و برتر تسلیم کرتی ہیں۔

۲۔ صحیح العقیدہ شیعہ

صحیح العقیدہ شیعہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اہلبیت اطہار کو منصوص من اللہ تسلیم کیا جائے اور اس امامت و خلافت، جانشینی اور دینی مرجعیت کا عقیدہ رکھا جائے جس کا سلسلہ امیر المومنین حضرت علیؑ سے شروع ہوتا ہے۔ ارشادات قرآنی و فرمودات نبویؐ پر مبنی یہ نظریہ حیات پیغمبر اکرمؐ میں ہی صحابہ کے درمیان موجود تھا۔ بعض مخلص صحابہ جو کہ نص کے مقابلہ میں اجتہاد کے قائل نہیں تھے وہ روز اول سے ہی حکم خدا اور رسولؐ کے سبب حضرت علیؑ کو رسول اکرم کا ولی، وصی اور جانشین تسلیم کرتے تھے۔ یہی نظریہ اور عقیدہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں آگے بڑھتا رہا۔

اہلبیت اطہارؑ کو اگر چہ سیاسی اقتدار اور قیادت و رہبری سے محروم کر دیا گیا لیکن دوسری صدی ہجری کے اوائل میں اہلبیتؑ کی دینی، علمی، فقہی مرکزیت اور برتری مکمل طور پر آشکار ہو چکی تھی۔

امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے صحابی ابان بن تغلب شیعہ کا تعارف ان الفاظ سے کراتے ہیں "رسول خدا سے حاصل ہونے والے کسی مسئلہ میں اگر اختلاف ہو جائے تو شیعہ اسے کہا جاتا ہے کہ جو حضرت علیؑ کی جانب رجوع کرے اور آپؑ سے ہی حکم خدا اخذ کرے اور اگر حضرت علیؑ سے حاصل ہونے والے کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو جعفر ابن محمدؑ کی جانب رجوع کرے"۔

(رجال نجاشی ص ۹)

۳۔ محبت کرنے والے

مسلمانوں کے درمیان تشیع کی ایک اور قسم نظر آتی ہے جسے ہم "محبت کی بنیاد پر شیعیت" کا نام دے سکتے ہیں۔ اس کا راز یہ ہے کہ اہلسنت کے علماء رجال کی اصطلاح کے مطابق کچھ لوگوں پر محبت اہلبیتؑ کی بناء پر بھی شیعیت کا لیبل چسپاں کر دیا گیا ہے۔ احادیث نبوی میں اہلبیتؑ کے فضائل و مناقب سے متعلق بیشمار روایات موجود ہیں لہذا اہلسنت کے بہت سے افراد اہلبیتؑ سے شدید محبت کرتے ہیں اسی لئے انھیں بھی شیعہ قرار دے دیا گیا۔ ایسے افراد کی فہرست میں "عقد الفرید" کے مصنف ابن عبدربہ اندلسی اور محمد ابن ادریس شافعی کا نام بطور نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ شافعی ایک شعر میں کہتے ہیں۔

ان کان حب الولی رفضا　　　　فاننی ارفض العباد

اگر ولی (علیؑ) کی محبت رافضی ہونے کا سبب ہے تو میں بندگان خدا میں سب سے بڑا رافضی ہوں۔

۴۔ دینی شیعیت

تشیع کی چوتھی قسم کو ہم دینی وثقافتی تشیع سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق اہلبیت اطہارؑ صرف دینی وفقہی اور تفسیری اعتبار سے لوگوں کے ملجا و ماوی اور مرجع ہیں اور معاشرہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ ان مسائل میں اہلبیتؑ کے جانب رجوع کرے۔ اور ایسے افراد کی کمی بھی نہیں ہے کہ

جو اہلبیتؑ کی عظمت وعلمیت کے قائل ہیں مگر اسی کے ساتھ ساتھ سیاسی وحکومتی معاملات میں اہل سنت کا اتباع کرتے ہیں۔ ایسے افراد کا خیال ہے کہ اہلبیتؑ کی امامت و وصایت کے بارے میں قرآنی آیات یا روایات میں کوئی نص نہیں ہے لیکن یہ لوگ علم اور دینی مسائل میں اہلبیتؑ کو دوسروں سے افضل و برتر مانتے ہیں۔ ملل ونحل کے مصنف شہرستانی کو اسی قسم میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

صحیح العقیدہ شیعہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اہلبیتؑ اطہار کو منصوص من اللہ تسلیم کیا جائے اور اس امامت وخلافت، جانشینی اور دینی مرجعیت کا عقیدہ رکھا جائے جس کا سلسلہ امیر المومنین حضرت علیؑ سے شروع ہوتا ہے۔

حقیقی شیعہ کون؟

ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ زبانی طور پر کسی عقیدہ یا نظریہ کے قائل ہوں لیکن عمل کے اعتبار سے ان کا اس عقیدہ یا نظریہ سے تعلق نہ ہو اور میدان عمل میں ثابت قدم نہ رہتے ہوں۔ بعض حضرات مدعی ہوتے ہیں کہ ہم فلاں دین کو مانتے ہیں ہیں لیکن اس دین کے بنیادی اصولوں کے پابند نہیں ہوتے۔ یا فلاں مذہب کو مانتے ہیں لیکن نہ صرف یہ کہ انھیں اس مذہب کے اصولوں کی خبر نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے اعمال سے ان اصولوں کو روندتے ہوئے نظر آتے ہیں حقیقتاً ایسے افراد کو اس دین یا مذہب کا ماننے والا نہیں کہا جاسکتا چاہے ظاہراً وہ خود کو اس دین کا ماننے والا سمجھتے رہیں۔ اس دین کے مخالفین بھی ایسے لوگوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اور انھیں ان سے کوئی خوف وہراس نہیں ہوتا۔ بلکہ مخالفین بھی انھیں اس دین کا حصہ تسلیم نہیں کرتے۔

درحقیقت کسی بھی دین یا مذہب کا قائل ان افراد کو ہی تسلیم کیا جاتا ہے جو مکمل طریقہ سے اس دین کے اصول ونظریات کے پابند ہوں اور اس دین کی راہ میں جان یا مال قربان کرنے سے بھی گریز نہ کریں۔

مذہب تشیع اور شیعوں کے بارے میں بعینہ یہی صورتحال ہے یعنی ہوسکتا ہے کہ بے شمار افراد

شیعۂ علیؑ یا شیعۂ اہلبیتؑ ہونے کے دعویدار ہوں لیکن یہ دعویٰ محض زبانی اور لفظی ہو اور یہ حقیقت ان کے دل میں جاگزین نہ ہو، شیعیت کے مبانی اور اصول کے پابند نہ ہوں تو ایسے افراد کو کسی بھی قیمت پر عقیدہ کے اعتبار سے شیعہ نہیں کہا جاسکتا۔

عقیدہ کے لحاظ سے حقیقی شیعہ وہ ہے کہ جو نہ صرف یہ کہ امام کا قاتل نہیں ہوسکتا، بلکہ امام کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ جیسا کہ روز عاشور، کربلا میں دنیا نے دیکھا کہ تھوڑے سے وہ افراد جنھیں کربلا کی جانب امامؑ کی روانگی اور آپؑ کے قیام کی اطلاع ملی تو انھوں نے حد درجہ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو امام تک پہونچایا اور عشق و محبت سے سرشار ہو کر انتہائی خلوص کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اعتراض اور سوال کرنے والوں پر بھی خود یہی اعتراض کیا جاسکتا ہے، ان سے بھی یہی سوال کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی ممالک میں جتنے افراد ہیں کیا وہ واقعاً اور حقیقتاً مسلمان ہیں؟ وہ اسلام کے تمام اصول و مبانی کے پابند ہیں، یا نہیں؟

نہ صرف یہ کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ایسے مسلمان بھی ہیں کہ جو اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں، اور عالمی سامراج کے نوکر ہیں۔ کیا اسلامی ممالک میں ایسے افراد یا گروہ نہیں ہیں کہ جو اسلام و مسلمین کے خلاف کفار اور سامراجی طاقتوں کے ذلیل غلام اور خدمتگذار بنے ہوئے ہیں؟ آپ بھی یقیناً ایسے افراد کو حقیقی مسلمان نہیں تسلیم کریں گے، ان لوگوں نے صرف اپنے اوپر اسلام کا لیبل لگا رکھا ہے۔

یہی کیفیت شیعوں کی بھی ہے کہ ہوسکتا ہے کچھ لوگ عقیدہ کے اعتبار سے خود کو شیعہ کہتے ہوں لیکن عقیدہ کے مطابق ان کا عمل نہ ہو اور وہ لوگ شیعہ اصول و مبانی کے پابند نہ ہوں۔

استاد شیخ علی آل محسن کہتے ہیں کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ شیعہ ہی امام حسینؑ کے قاتل ہیں،، ان کے کلام میں تضاد اور تناقض پایا جاتا ہے اس لئے کہ امام حسینؑ کا شیعہ اسے کہا جاتا ہے جو امام کا ناصر، محب اور مطیع و فرمانبردار ہو اور یہ دونوں باتیں ایک ساتھ درست نہیں ہوسکتیں، یعنی یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص امام کا محب و مطیع بھی ہو اور قاتل بھی! کیا شیعہ قاتل ہوسکتا ہے؟ بہ فرض محال اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شیعوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا ہے تو ایسے افراد اس عمل کی بنا پر شیعیت سے

خارج ہو جائیں گے۔ (للہ وللحقیقۃ، ص ۹۷)

سید محسن امین عاملی اس اعتراض کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: خدا کی پناہ! بھلا حقیقی شیعہ بھی امامؑ کے قاتل ہو سکتے ہیں؟ جن لوگوں نے آپؑ کو شہید کیا، ان میں کچھ حرص و ہوس کے بندے تھے انھیں دین سے کوئی واسطہ نہیں تھا اور کچھ انتہائی پست اور اہل شر تھے، کچھ اپنے رؤساء کے پیروکار تھے جنھیں حب دنیا نے ایسے عظیم جرم پر آمادہ کیا۔ امامؑ عالی مقام کا کوئی محب یا شیعہ آپؑ کے خلاف قتال میں شریک نہیں تھا۔

جو آپؑ کے حقیقی اور مخلص شیعہ تھے وہ سب کے سب آپؑ کے معین و یاور تھے اور آخری دم تک آپؑ کے ہمراہ رہے اور آپؑ ہی کے ہمراہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے، انھوں نے بھرپور کوشش کی اور آخری سانس تک امامؑ کی نصرت کرتے رہے۔

کچھ ایسے شیعہ بھی تھے جن کے لئے واقعاً نصرت کا امکان نہیں تھا، بعض کا خیال تھا کہ نوبت یہاں تک نہیں پہونچے گی کہ امام شہید کردئے جائیں گے۔ کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے خطرات مول لے کر کوفہ کے گرد ابن زیاد کے حصار کو توڑا اور جان کی بازی لگا کر جیسے بھی ممکن ہوا امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، بہرحال یہ کہنا کہ شیعہ بھی آپؑ کے قتل میں شریک تھے ایسا ہرگز نہیں تھا۔

(اعیان الشیعہ ج ۱ ص ۵۸۵)

کوفی کیسے شیعہ تھے؟

تاریخ کا دقیق مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے بعد خاص طور سے امام حسنؑ کے زمانۂ امامت میں اہل کوفہ عام طور پر سیاسی شیعہ تھے، عقیدہ کے اعتبار سے نہیں۔ یعنی وہ لوگ صرف خلیفۂ سوم یا دوسرے تمام صحابہ پر حضرت علیؑ کی فضیلت کے قائل تھے اور حضرت علیؑ اور دوسرے ائمہ معصومینؑ کی منصوص امامت کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے اور یہ طے ہے کہ سیاسی شیعوں کو صحیح العقیدہ شیعوں کے برابر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ہمارے اس دعویٰ پر مندرجہ دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں:

ابن عساکر نے اپنی کتاب ''تاریخ دمشق'' میں اپنی سند کے ساتھ حریث بن ابی مطر سے نقل کیا

ہے کہ میں نے مسلمہ بن کہیل کو کہتے ہوئے سنا ہے: کہ میں مسیب بن نجبہ فزاری کے ساتھ مسجد کوفہ میں بیٹھا ہوا تھا، اس جگہ کافی شیعہ موجود تھے ہم نے ان سے اسکے سوا کچھ نہیں سنا کہ وہ سب کسی نہ کسی صحابی پیغمبر اکرمؐ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اور انکی تعریف کر رہے اور انکی تمام تر گفتگو کا محور حضرت علیؑ وعثمان تھے۔

اہلسنت بغیر استثناء تمام صحابہ کی مدح کر کے ان کو عادل سمجھتے ہیں اور جن لوگوں کو سیاسی شیعہ کہا جاتا ہے صرف وہی لوگ عثمان پر حضرت علیؑ کی افضلیت کے قائل تھے۔ کوفہ میں کچھ لوگوں کا یہی عقیدہ تھا اور کچھ لوگ تو اس حد تک بھی حضرت علیؑ کے بارے میں عقیدہ نہیں رکھتے تھے جیسا کہ ابن عساکر کی روایت سے معلوم ہو چکا ہے۔

★★★★★

مدح امام جعفر صادقؑ

علامہ ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ

خلاق دو عالم کا ایسا شہ کار امام صادق ہیں
سرکار رسالت کا زندہ کردار امام صادق ہیں

اسلام کے ہر منصب کیلئے اقرار امام صادق ہیں
اور کفر کے ہر مذہب کیلئے انکار امام صادق ہیں

قدرت نے عطا کی ہے ان کو پروازِ نظر کی وہ طاقت
مذہب کی ہر اک خدمت کے لیئے تیار امام صادق ہیں

گردین خدا پر حملہ ہو بن جاتے ہیں یہ مذہب کی سپر
باطل جو اُٹھائے سر اپنا تلوار امام صادق ہیں

سب اہل ستم ان سے بھاگے ٹھہرا نہ کوئی ان کے آگے
فرار ہیں سارے اہل ستم کرّار امام صادق ہیں

منصور کا ناصر کوئی نہیں اس رہ کا مسافر کوئی نہیں
اب قافلہء حق کے تنہا سالار امام صادق ہیں

جو دینِ خدا کا ہو جویا اس کے لئے ہیں قرآں گویا
دشمن کے لیئے اک فولادی دیوار امام صادق ہیں

ایمان کی ہر حکمت اُن سے اسلام کی ہر وسعت اُن سے
ہے علم اگر اک نقطہء پرکار امام صادق ہیں

جو امتِ حق میں شامل ہو جو جنتِ حق میں داخل ہو
لازم ہے اُسے یہ یاد رہے سردار امام صادق ہیں

مالک سے اگر تصدیق نہیں پھر کوئی بشر صدیق نہیں
اور دہر کی ہر سچائی کا معیار امام صادق ہیں

شہادت حضرت علی اصغرؑ اور امن عالم

پروفیسر شاہ محمد وسیم صاحب، علی گڑھ

اگر کسی سے کہا جائے کہ وہ دنیا کی تمام مصیبتوں، تکلیفوں اور مسائل کی وجہ کو صرف ایک لفظ میں بیان کر دے، تو وہ کچھ بھی کہہ سکتا ہے، ناخواندگی، جہالت، غربت، بے راہ روی، راہ اعتدال سے انحراف اور اسی طرح کچھ اور بھی۔ لیکن وہ ایک لفظ، جو تمام وجوہات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، ناانصافی ہے کہ یہ ناانصافی اور عدل کا مفقود ہونا ہی ہے، جو دنیا کے تمام مسائل اور صعوبتوں کا باعث ہے۔ اسی لئے قرآن نے کہا ہے: "اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ"۔ (المائدہ:۸)

اسی عدل کو پیغمبرؐ اور ان کے اہلبیتؑ نے ہمیشہ قائم کیا، جارج جرداق (George Jordac) نے اپنی کتاب "صوت العدالۃ الانسانیہ" میں لکھا ہے: ''علیؑ کی پالیسی کا بنیادی نکتہ انسانوں کی خدمت کرنا اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا اور ناانصافی کو ختم کرنا تھا۔'' علیؑ کے بعد کے معاشرہ پر غور کریں اور ان کے اقدامات پر، جنہوں نے اقتدار حاصل کر لیا تھا، تو عوام عدل کی آرزو لئے بس زندگی گزارتے ہوئے نظر آئیں گے!

عالمی سطح پر پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں رونما ہونے والے خون خرابہ، صعوبتوں اور مسائل سے کون واقف نہیں ہے؟ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ بستیاں تاراج ہوگئیں۔ انسانیت کراہ اٹھی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سرد جنگ (Cold War) نے انسان کو آن گھیرا۔ اب جہانی (Globalisation) کا نعرہ بلند کیا جا رہا ہے، لیکن استحصال کارفرما ہے۔ تلاش امن، صلح و آشتی کی

جستجو میں انسان آج بھی روگرداں اور پریشان ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ طے پایا کہ دنیا کی حکومتوں سے امن عالم کی اپیل کی جائے مگر سوال یہ تھا کہ یہ اپیل کس کے نام پر کی جائے؟ آخرش یہ طے پایا کہ کربلا کے معصوم ننھے مجاہد حضرت علی اصغرؑ کے نام پر یہ اپیل کی جائے۔ فرانسیسی شاعر الیکزینڈر گوئینے (Alexandre Goenel) نے حضرت علی اصغرؑ کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا اور ان کے توسط سے امن عالم کی اپیل کی کہ اس ننھے مظلوم کی مظلومیت پر کسی کا دل بھر نہ آئے گا؟ کون ہوگا جو ان کے نام سے امن کی اپیل پر کان نہ دھرے گا؟ اس نظم کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا اور اسے دنیا کی تمام حکومتوں کو اور لیگ آف نیشن (League of Nations) کو بھی، جو اقوام متحدہ (.U.N) کا پیش رو ادارہ تھا، بھیجا گیا اور ساتھ ہی اسکا انگریزی ترجمہ اخباروں میں بھی شائع کیا گیا۔

واقعۂ کربلا ہر انسان کا دل ہلا دیتا ہے، خصوصاً شہادت علی اصغرؑ کہ کہاں تین دن کا بھوکا پیاسا چھ ماہ کا نونہال اور کہاں تیر ظلم جس سے اس کا گلہ چھد گیا۔ کربلا میں ایک طرف یزید ملعون اور اسکے درندوں کا ظلم اپنی حدوں کو پار کر رہا تھا اور دوسری طرف حسینؑ اور ان کے ساتھ والوں کا صبر و شکر تاریخ عالم میں خدا پرستی کی مثال قائم کر رہا تھا۔ بقول جعفر حسین منظر لکھنوی:

شہید کربلا کے حوصلے تھے دید کے قابل — وہاں پر شکر کرتے تھے جہاں پر صبر مشکل تھا

اور مظلومیت کا عالم یہ تھا کہ بقول میر نفیس:

ترس کسی کو نہ بچہؑ کے حال پر آیا — تمہارے لال کو رن میں لے جا کے پچتایا
لحد تو مل گئی، لیکن کفن نہیں پایا — اسی لہو بھرے کرتہ میں اسکو دفنایا
وفور غم سے نہیں تاب صبر ہے بانو! — وہ سامنے علی اصغرؑ کی قبر ہے بانو!

الیکزینڈر گوئینے کی بعض حصوں کا ترجمہ [از مصنّف مضمون ہذا] قارئین پیش خدمت ہے۔

یہ شاعر کہہ کر حضرت علی اصغرؑ کو عقیدت پیش کرتا ہے کہ:

اس خود مختار [شہنشاہ] کو
اس باعظمت فاتح کو

اس رخشندہ نامور آزادی دھندہ کو
اس پرافتخار امن قائم کرنے والے کو
اس عظیم ومعزز شہید کو
[جو] اطفال میں [ہے] ستارہ
[اور ہے] معصوم بچوں میں حاکم ہمارا
[کہ نام نامی ہے جسکا] علی اصغرؑ
علی اصغرؑ ہراک طفل کے لئے ملکوتی ستارہ
زخمی ابدانی اور فتح یاب قلوب پہ حاکم
وقت تری طرف خود (ہی) ہے بڑھتا، لامتناہی پیاسا [پیاسا]
ابدی محبت کا شعلہ [بن کر]، جسے تو نے عطا کیا ہے روحوں کو ہماری
شہادت تری درمیان ریگزار [کہ تھا] پرآشوب
کربلا میں، بازوؤں میں اپنے پدر کے، [جاں سے] قریب
رہے گا ہمیشہ ساتھ ہمارے، تیرے پرشوق عقیدتمندوں کے
وہ جُرم جسے ہم صدا کریں گے یاد، بہ زغۂ تمام تر افسوس وغم کے
یہ شہادت [تیری] اور وہ جرم [ان کا]
ہجوم میں ہزاروں غموں کے
اس ریگزار میں دیکھا تھا جس نے تیری قضا و تیری فتح کو
[جو] ہمارے دلوں میں محبت کو تیری کرتا رہے گا دوبالا
تیرا جواں خون جو بہا تھا نام پر آبرو کے
بمثل اس ڈوبتے سورج کے جو خود اپنے اوج پر ہوا رغوانی
[اے] بادشاہوں کے شہنشاہ، تمام حکمرانوں میں سربلند [عظیم]
مابین سبھی فاتحان [عالم بہ اوج] سرخرو

اور ظالم کہ ہیں خائف جس سے سب سے زیادہ
تامین کنندگانِ دوزخ، خود انجام سے اپنے
کہ اس دن سے پہلے کتنے ہی لوگوں پہ کی تھی انھوں نے حکمرانی
انھیں محکوم کرنے اور زمین [خدا] کو سَر کرنے انقلاب [بد] سے اپنے
تصوّر کر سکتے ہو کیا تم اس رنج و مصیبت کا؟
تو یاد کر لوں ان شریر و نابکار افراد کو، بھرپور تباہ کن نفرتوں کے حامل
[جنھوں نے] خود اپنے کو دے دیا تھا اک ظالم و جابر کو کہ تھا وہ خودسر
اور انھوں نے جرم کی کی تھی طرفداری، بے شرمی کے ساتھ کالے کرتوتوں پہ اپنے
کہ چھوٹے معصوم بچوں پہ ایک قطرہ آب تک بند کر دیا تھا
اور وہ ظالموں کے وحشیانہ وار کا شکار بن گئے تھے
مگر تیری شہادت ریگزار میں ان تپتے پتھروں کے درمیاں،
[اب] خباثت پر ظالموں کی تا ابد گواہ ٹھہری
جنھوں نے تجھے کیا تھا حوالہ شدید تشنگی میں قضا کے
اور موت سے ہمکنار ہونٹوں نے تیرے
یک قطرۂ آب کی عنایت سے پھیر لیا تھا خود منھ ہی اپنا
تیرا انجام [نیک] اس جلتے، تپتے صحرا میں
اس چمکتے [گرم] سورج نے
تیری مظلومیت کو اور بھی دوبالا کر دیا تھا، اے ننھے [معصوم علی اصغرؑ]
گیتی! تو تو تھی واں دیکھنے کو [خون کی] فتح جنگ پر
اِک ہیرو کی، لگا کر موت کو خود اپنے گلے سے کہ جو بن گئی تمام عالم کی قربانی
اے طفل [نامور]! تو ہے دنیا کی قوموں میں بلند و بالاتر
کہ بلند ہوا ستاروں میں اک [تابناک] ستارہ بن کر

خود اپنے بزرگ و باعظمت پدر کے بازوؤں میں
شہادت نے تری ریگزار کے ذرّہ ذرّہ کو عطا کی حاصل خیزی
کہ تو ہر دل میں منارہ محبت کا بن کے ہے ابھرا
ماؤں! اے [دنیا بھر کی] ماؤں! توصیف کرو اور کرو دعائیں!
اک طفل [شیر خوار] تھا علی اصغرؑ، ذرا کرو تو تصوّر
کہ ہمارا پیارا [ننھا] آقا! [بہادر] ہیرو بن کے لگتا ہے کیا؟
کہ اسکی بردبار [زندگی اور] جاں کو کہ جو تھی موت تک بھوکی پیاسی، بدونِ امداد
[ظلم نے] یک لمحہ کی بھی نہ دی تھی اجازت
کہ ملتی شدت پیاس میں کرب سے ذرا تو راحت
کہ کبھی نہ سیر ہونے والے ظالموں کے وہ پست قالب
ذرا بھی احساس نہ تھا جن میں معصومیت کا تمہاری
لیکن آسماں کے سارے فرشتے دیکھ کر طاقت و توانائی تمہاری
[ہاں] ایک ننھے [معصوم] کی طاقت و توانائی
اے شاہوں کے شہنشاہ اعلیٰ! قوت کو تمہاری، تمہاری محبت میں برداشت کر لیا تھا۔
ایسے تھے شیریں و سبک سر الفاظ
غمزدہ حسین [علیہ السلام] کے
کہ سر تھا ان کا جھکا ہوا سوئے زمیں
اور نگاہ ان کی کہ تھیں آسماں کی طرف
اپنے بازوؤں میں لئے ہوئے
خون آلود جسم خود اپنے پسر کا
آہستہ، [ہاں! آہستہ] سے دعا یہ کرتے ہوئے
'تجھے سونپتا ہوں میں، میرے محبوب' مالک کل!

موت سے ہمکنار جسم اپنے پسر علی اصغر کا
کہ تھا مانند اگتے ہوئے نڈر چاند کے
اسے میرے لئے پاس اپنے رکھنا، اور ہم کو بھی یک ساتھ صدایوں ہی
دن کو فیصلہ کے
دن کو نورانی روشنی کے
جب سب ہوں گے حاضر
پیش واسطہ عدلِ خدا کے
خدا کی عدالت کے حضور
سب ہی ہوں گے حاضر، نہ ہوگی ہمت کسی کو نظر تک اٹھانے کی
تب اے علی اصغرؑ! [آقا ہمارے] پھول باغ جناں کے
کھول دو گے واسطہ ہمارے اسکا نورانی باب [بہشت]
کیونکہ تمھارے [مظلوم] پدر نے تمہیں قرباں کیا تھا
مالک دو جہاں، مالک بہشت کیلئے
تیری شہادت نے، اے آقا ہمارے علی اصغرؑ
ہمارے دلوں پر [نام تیرا] بہشت کر دیا ہے
نام تیرا رہے گا یوں ہی صدا لبوں پہ ہمارے جاری
اپنے مقام [پر عظمت و] بلند سے دعا کرو واسطے ہمارے
ایک سنہرے دور کی تا کہ عدل [ہمارے لئے]
بہم ہو اور رہے صدا جاری و ساری

★★★★★

هدیٰ مشن
کے زیر اہتمام جاری دینی خدمات میں حصہ لے کر تبلیغ کے قافلہ میں شامل ہوں

لبیک یاحسینؑ

عالیجناب مولانا سید پیغمبر عباس صاحب

کربلا میں امام حسینؑ نے اپنے اعزاء واقرباء کی قربانی پیش کرنے کے بعد جو استغاثہ بلند فرما کر اپنے چاہنے والوں کو اپنے مشن کی نصرت کے لئے بلایا تھا وہ آج بھی فضاؤں میں گونج رہا ہے، جنگوں میں اپنے چاہنے والوں سے مدد طلب کرنا عام بات ہے مگر یہ مدد یا تو جنگ سے پہلے طلب کی جاتی ہے یا پھر اُس وقت کی جاتی ہے جب جنگ شکست کے قریب پہنچ جائے، لیکن کربلا میں امام حسینؑ کا استغاثہ نہ تو جنگ سے پہلے تھا اور نہ ہی اس خدشہ میں تھا کہ جنگ میں شکست ہو رہی تھی، اگر ہم ایسا سوچ لیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سب کی شہادت کے بعد مدد طلب کر کے امام حسینؑ صرف اپنی جان بچانا چاہتے تھے باقی کسی کی جان کی آپ کو پرواہ نہ تھی (نعوذ باللہ)۔

امام حسینؑ اپنے یاور وانصار کی شہادت کے بعد استغاثہ بلند کر کے ہمیں بہت ہی اہم زندگی ساز پیغام دے رہے تھے، اسی لئے امام عالی مقام کا یہ استغاثہ صرف کربلا کے میدان میں روز عاشور تک محدود نہ تھا آج بھی امامؑ کا استغاثہ ہمیں اُس مقدس مشن کی مدد کے لئے آواز دے رہا ہے جس کی داغ بیل امام حسینؑ نے کربلا میں ڈالی تھی۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو ائمہؑ کے اقوال کی روشنی میں یہ مفہوم نہ ہوتا کہ ''ہر زمین کربلا ہے اور ہر روز عاشور ہے''، یعنی جس سرزمین پر جب بھی یزیدیت سر ابھارے اور اسلامی معاشرے کو نقصان پہنچائے تو وہ سرزمین، کربلا ہے اور وہ دن عاشور کا دن ہوگا، جب بھی ایسا ہو تو ہر حسینی کا فرض ہے کہ وہ امام حسینؑ کے استغاثے کا جواب ''لبیک یا حسینؑ'' کی شکل میں دے کر یزیدیت سے مقابلہ کے لئے نکل پڑے، ایسا کرنا ہر مسلمان پر انفرادی اور اجتماعی طور پر فرض ہے۔

اسلام نے معاشرے کے انفرادی (ایک فرد) اور اجتماعی (سماجی) مفادات کے تحفظ کی تاکید کی ہے، اسی لئے ہر فرد پر یہ دونوں ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اگر اجتماعی امور کی انجام دہی کے لئے زمین ہموار نہ ہو تو صرف انفرادی ذمہ داری ہی عائد ہوتی ہے، ارشاد الٰہی ہے: اے ایمان والو! تم اپنے نفس کی فکر کرو، اگر تم ہدایت یافتہ رہے تو گمراہوں کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

(سورۂ مائدہ، آیت ۱۰۵)

اور جب اجتماعی ذمہ داریوں کو انجام دینے کے لئے حالات سازگار ہوں تو اس وقت انسان پر فرض ہے کہ وہ اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کو بھی انجام دے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں سے ہر ایک پر اجتماعی مسئولیت عائد ہوتی ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے۔

(بحار الانوار، ج ۷۲، ص ۳۸)

دین اسلام نہ تو کیپٹل ازم کی طرح صرف انفرادی مفادات کی بات کرتا ہے اور نہ ہی کمیونزم کی طرح صرف اجتماعی مفادات کی ضمانت فراہم کرتا ہے بلکہ حالات کے مطابق دونوں ذمہ داریاں ضروری ہیں۔

امام حسینؑ کی امامت کا زمانہ ایسا ہی تھا جس میں مسلمانوں پر انفرادی اور اجتماعی دونوں ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں، چونکہ بنی امیہ کی سیاست نے معاشرے کو انفرادی اور اجتماعی طور پر برباد کر کے رکھ دیا تھا، ان کے ذریعہ پھیلائے گئے قبائلی اور خاندانی تعصب اور قبیلہ پرستی نے مسلمانوں کو ان مقاصد تک پہنچنے ہی نہ دیا جن تک جانے کی اسلامی تعلیمات نے ترغیب دلائی تھی، بلکہ مسلمان قبائلی حدود میں بند چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھتے رہے لہٰذا اس سیاست نے مسلمانوں کو انقلابی عمل سے باز رکھا اور محرومیت ونکبت کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا، دوسری جانب بنی امیہ نے ''مرجئہ'' فرقے کے گمراہ عقیدے کو اپنی غیر اسلامی سیاست کو مذہبی رنگ دینے کے لئے استعمال کیا اور اس عقیدہ کی ہر سطح پر حمایت کی اور لوگوں میں رائج کر دیا، جسے آج تک مسلمان سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

اس کی بنیاد پر بنی امیہ بالخصوص معاویہ لوگوں کو یہ سمجھاتے تھے کہ حکومت کا وجود اور اس کے کارنامے چاہے کتنے ہی غیر اسلامی اور ظالمانہ کیوں نہ ہوں تقدیر الٰہی ہیں اور کسی بھی صورت میں تغیر و

تبدل کے لائق نہیں ہیں لہٰذا بنی امیہ کی حکومت کی مخالفت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، اس گمراہ عقیدے سے معاویہ نے بہت فائدہ اٹھایا اور اپنی تمام بداعمالیوں کو تقدیر الٰہی کا نام دے کر حکومت کرتا رہا اور لوگوں کو یہ باور کراتا رہا کہ میں اسلامی خلیفہ ہوں اور کیسا ہی گناہ کیوں نہ انجام دے لوں مقام خلافت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

دراصل مرجئہ فرقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اچھے اور برے اعمال میں بندہ کو اختیار نہیں ہے بلکہ ہر خیر و شر اللہ کی طرف سے ہوتا ہے (نعوذ باللہ) اسی طرح اموی سیاست کے تیسرے ستون یعنی ''مذہب ہی کو مذہب کے خلاف استعمال کرنے'' سے اس وقت کے اسلامی معاشرے کو کتنا نقصان پہنچا اس کا اندازہ اس کے انفرادی، اجتماعی اور دینی مخدوش حالات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ کس طرح مسلمان اس پر اعتراض کرنے اور حالات کو درست کرنے کے لئے کوشش کرنے سے کتراتے تھے جس کے نتیجے میں معاشرے کے ضمیر میں گناہ کا شعور ہی مردہ ہو گیا تھا۔

جبکہ یہی شعورِ گناہ اگر زندہ ہوتا تو ایک انقلاب کے لئے بنیاد بن سکتا تھا اور جب یہ شعور مردہ ہو جاتا ہے تو معاشرے پر موت کی سی خاموشی چھا جاتی ہے لہٰذا وہ مسلمان جو پوری انسانیت کا درد سینے میں رکھتے تھے اور دوسروں کے دکھ درد کو کم کرنے کے لئے ہمیشہ سعی و کوشش میں لگے رہتے تھے ان کو اس اموی سیاست نے قبیلہ پرست بنا کر اپنے ہی قبیلے کے محدود دائرے میں مقید کر دیا تھا اور عیناً زمانہ جاہلیت کی طرح قبائلی اور خاندانی اختلافات تک محدود ہو کر رہ گئے تھے، ان کی شخصیتیں قبائلی چہار دیواری سے باہر نکل کر دوسرے میدانوں میں نہ ابھر سکیں۔

دور جاہلیت میں بھی یہی چیز کارفرما تھی جو بنی امیہ کے دور اقتدار میں دوبارہ زندہ ہو گئی تھی، جس کی طرف معروف اہل سنت دانشور اور عالم مولانا ابوالحسن علی ندوی نے یوں اشارہ کیا ہے: ''دنیا کی بدقسمتی تھی کہ خلفائے راشدین کے بعد دنیا کی راہنمائی کے منصب جلیل پر وہ لوگ (بنی امیہ) حاوی ہو گئے تھے جنھوں نے اس کے لئے کوئی حقیقی تیاری نہیں کی تھی، خلفائے راشدین کی طرح اور خود اپنے زمانے کے بہت سے مسلمانوں کی طرح انہوں نے اعلیٰ دینی اور اخلاقی تربیت نہیں پائی تھی، ان کا دینی، روحانی اور اخلاقی معیار اتنا بلند نہ تھا جو ملت اسلامیہ کے راہنماؤں کے شایان شان ہے، ان

کے ذہن اور طبیعتیں عرب کی قدیم تربیت اور ماحول (دور جاہلیت) سے بالکل آزاد نہیں ہوئی تھیں۔
(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، تالیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۱۶۳)

لہٰذا جب اموی خاندان کے فاسق و فاجر یزید بن معاویہ نے اسلام سے انسانی اقدار کو نکال پھینکا اور اسلام کو ایک خاص ٹولے کے مفاد میں استعمال کرنے لگا تو امام حسینؑ نے اسلام کا دفاع کیا اور انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو کما حقہ پورا کر دیا، البتہ یہ کام اتنا آسان نہ تھا اس راہ میں امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں نے اپنا سب کچھ قربان کر کے اسلامی معاشرے کو وہ جرأت عطا کر دی کہ پھر کبھی کسی ظالم کے سامنے مسلمان خاموش نہیں رہے اور انقلاب کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔

امام حسینؑ کے اس انقلاب کو ''حسینی انقلاب'' کہا جاتا ہے، حسینی انقلاب میں محبت و ہمدردی اور ایثار و فداکاری کا بے مثال نمونہ پیش کیا گیا ہے، یہ محبت و ہمدردی جلادوں اور قاتلوں تک کے ساتھ بھی تھی جن کو ظالم حکمران نے دھوکہ دے کر ان شخصیتوں کے ساتھ لڑنے بھیجا تھا جو خود انہی کی بھلائی چاہتی تھیں اور ان جانبازوں نے اس محبت کا مظاہرہ روز عاشورا آپس میں بھی کیا جو موت کی طرف ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے تاکہ اپنے ساتھی کے قتل کا منظر دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہیں۔

ان کے مقابلہ میں یزیدی لشکر تھا جو بدترین کینے اور عداوت کا مظاہرہ کر رہا تھا، جس نے حسینی جانبازوں اور ان کے کمسن بچوں کو پانی تک سے محروم رکھا اور عورتوں اور بچوں تک کا خون بہانے سے باز نہیں آیا جس سے ہر انسان کا دل کانپ جاتا ہے اور اسی چیز نے اس انقلاب پر لکھنے اور بولنے والوں کی توجہ اپنی طرف اس طرح مبذول کرائی کہ انہوں نے اس انقلاب کے صرف انہیں واقعاتی پہلوؤں پر اپنی توجہ مرکوز کر دیں، حالانکہ حسینی انقلاب میں تعلیم و تربیت، اخلاق و کردار، ایثار و فداکاری کی بے شمار خصوصیات موجود ہیں بلکہ یہ انقلاب ایک درسگاہ ہے جو صرف واقعات تک محدود نہیں ہے، دنیا میں اب تک بے شمار انقلاب آچکے ہیں لیکن جو اثر سن ۶۱ ہجری میں عراق کے شہر کربلا میں رونما ہونے والے حسینی انقلاب کا ہے وہ کسی کا نہیں ہے۔

حسینی انقلاب کی یاد ہر سال محرم میں دنیا کے گوشہ گوشہ میں منائی جاتی ہے، دنیا میں رونما ہونے

والے دیگر انقلابوں کا مقصد اقتدار پر قبضہ ہوتا ہے لیکن حسینی انقلاب میں اقتدار پر قبضے کی کوئی خواہش کسی کو نہ تھی اگر چہ خلافت واسلامی حکومت قطعی طور سے امام حسینؑ کا حق تھا جسے یزید غصب کئے بیٹھا تھا۔ حسینی انقلاب نے تمام انصاف پسندوں کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے اور باشعور لوگ اس انقلاب سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں، اس انقلاب نے تمام حریت پسندوں کے دلوں میں اس طرح جوش وولولہ بھر دیا ہے جس سے وہ ہر بڑی طاقت کے مقابلے پہ آجاتے ہیں، چاہے گاندھی جی کی قیادت میں ہندوستان کا انقلاب آزادی ہو، یا پھر امام خمینیؒ کی قیادت میں ایران کا اسلامی انقلاب ہو اور یا سپر پاور امریکہ کو انگلیوں پر نچانے والے اسرائیل کے خلاف حزب اللہ کی مزاحمت ہو سبھی میں حسینی انقلاب کے اثرات نمایاں ہیں، غرض حسینی انقلاب کے بعد دنیا میں ظالم وجابر حکمرانوں اور حکومتوں کو ہمیشہ انقلاب کا ڈر لگا رہتا ہے۔

> امام حسینؑ کا یہ عظیم انقلاب کسی شخص، گروہ خاندان اور حکومت کے خلاف نہیں تھا بلکہ یہ انقلاب اُن سماجی برائیوں کے خلاف تھا جنہوں نے اسلامی معاشرے کے تانے بانے ادھیڑ کر رکھ دیئے تھے۔

امام حسینؑ کا یہ عظیم انقلاب کسی شخص، گروہ خاندان اور حکومت کے خلاف نہیں تھا بلکہ یہ انقلاب اُن سماجی برائیوں کے خلاف تھا جنہوں نے اسلامی معاشرے کے تانے بانے ادھیڑ کر رکھ دیئے تھے، جس کا ذمہ دار اموی خاندان اور پشت پناہ بنی امیہ کی حکومت تھی جس کے پُرتشدد ، دباؤ اور استحصالی سیاست نے لوگوں کے دلوں سے جذبۂ آزادی کو ختم کر کے رکھ دیا تھا۔

جس دن سے شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تھا شام والوں نے ''خالد بن ولید'' اور ''معاویہ بن ابی سفیان'' جیسے حاکموں کو دیکھا تھا، شام والے نہ تو پیغمبر اسلام ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے تھے اور نہ ہی اصحاب پیغمبر ﷺ کی روش سے آشنا تھے اور نہ ہی پیغمبر ﷺ کے اہل البیتؑ کو جانتے تھے اور نہ ہی مدینہ میں رائج اسلام کے بارے میں کچھ خبر رکھتے تھے۔

البتہ تاریخ میں ۱۱۳، اصحاب پیغمبر ﷺ کی تعداد ضرور ملتی ہے کہ جو، یا تو سرزمین شام کو فتح کرنے میں شریک تھے یا آہستہ آہستہ وہاں مقیم ہو گئے تھے ان میں بھی اکثر ایسے تھے جنہوں نے بہت کم وقت حضورؐ کی صحبت میں گزارا تھا ان میں سے اکثر معاویہ کے زمانے میں مر چکے تھے اور امام حسینؑ کے انقلاب کے زمانے میں صرف ۱۱ افراد باقی تھے جن کی عمریں ۷۰ سے ۸۰ سال کے درمیان تھیں جو بڑھاپے کی وجہ سے گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے تھے، اس لئے عوام میں ان کا کوئی نفوذ اور اثر نہیں تھا۔

لہٰذا شام کی وہ جوان نسل جو یزید کی ہم عمر تھی محمدیؐ اسلام سے بے خبر اور نابلد تھی ان کی نظر میں بنی امیہ کی روش اور طرز حکومت ہی اسلام تھا، اسی لئے معاویہ کے ٹھاٹ باٹ، لوگوں کے مال پر زبردستی قبضہ، بڑے بڑے محلوں کی تعمیرات، مخالفوں کو قید کرنا، شہر بدر کرنا یا قتل کرنا شامیوں کی نگاہ میں کوئی جرم نہ تھا اس لئے کہ انہوں نے ۵۰ سال تک بنی امیہ کے ذریعہ مذکورہ تمام غیر اسلامی افعال کو بنام اسلام انجام دیتے دیکھا تھا، غرض اہل شام معاویہ کے افعال و کردار کو ہی اسلام سمجھتے تھے۔

اسی لئے جب رجب ۶۰ ہجری میں معاویہ کے انتقال کے بعد یزید کو حکومت اسلامی کی باگ ڈور سونپ دی گئی تو شامیوں نے قطعاً اعتراض نہ کیا بلکہ بخوشی یزید کی حاکمیت کو قبول کر لیا جبکہ یزید کا کردار سب پر آشکار تھا، جس سے اُس زمانہ کے اسلامی سماج کی بے حسی کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح بنی امیہ نے لوگوں کو بزدل بنا دیا تھا جو اپنے اوپر یزید جیسے فاسق و فاجر حاکم کو مسلط کر لینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

یزید کے بارے میں سب کو معلوم تھا کہ اُس کی پرورش ایک عیسائی عورت کی گود میں ہوئی ہے، کیونکہ یزید کی ماں ''میسون بنت بجدل کلبی'' عیسائی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی اور وہ بھی صحرا نشین !اور اس کا شمار شام کی معروف عورتوں میں ہوتا تھا، یزید کا حمل ٹھہرنے کے بعد میسون کو معاویہ نے ایک شعر پڑھتے ہوئے سنا جس میں معاویہ اور اس کے قصر کی تمام زیبائی اور خوبصورتی نیز شام کی آب وہوا کی مذمت اور اپنے دیہات کی جھونپڑی، وہاں کی آب وہوا، گلہ گوسفند میں رہنے والے اپنے چچا زاد بھائی کی مدح سرائی کی تھی، معاویہ نے یہ شعر سن کر میسون کو طلاق دے دی، وہ حاملہ اپنے گاؤں

چلی گئی جہاں پر یزید کی ولادت ہوئی، ولادت کے بعد یزید کو ایک عیسائی عورت کے سپرد کر دیا گیا جو قبیلہ طائف سے تعلق رکھتی تھی، برے اور قبیح کام اس کے معمول تھے۔

(تفسیر سیاسی قیام امام حسینؑ، تالیف سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی، ص ۳۲۵)

تربیت کا دوسرا دور وہ ہوتا ہے جب بچہ استاد کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتا ہے، اس موقع پر یزید کے لئے جس استاد اور اتالیق کا انتظام کیا گیا وہ بھی شام کا عیسائی تھا۔ (سیرۂ پیشوایان ص ۱۷۹)

اس کے علاوہ روم کے عیسائیوں سے بنی امیہ کے بڑے اچھے تعلقات تھے جس کی بناء پر روم کے عیسائیوں نے اموی دربار میں کافی نفوذ کر لیا تھا، اسی لئے یزید کے درباری مشیر بھی عیسائی تھے، جب یزید کو یہ اطلاع ملی کہ امام حسینؑ عازم کوفہ ہو چکے ہیں تو یزید نے اپنے ایک عیسائی مشیر ''سرجون'' رومی کے مشورہ پر کوفہ سے نعمان بن بشیر کو ہٹا کر عبیداللہ بن زیاد کو گورنر بنا کر بھیج دیا تھا۔ (تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۷۵)

چونکہ ابن زیاد اہل بیت رسولؐ سے شدید عداوت رکھتا تھا لہٰذا اس نے آل رسولؐ کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک کیا، اسی طرح یزید کا وزیر خزانہ اور منشی بھی دمشق کا عیسائی ''منصور بن سرجون'' تھا۔

(سیرۂ پیشوایان ص ۱۸۰ بحوالہ ''تجارب الامم'' ص ۲۱۱۔۲۹۱)

اس کے علاوہ یزید کا درباری شاعر ''اخطل'' بھی عیسائی تھا اور یزید نے اسی عیسائی شاعر سے انصار کی ہجو (مذمت) کرائی تھی۔ (سیرۂ پیشوایان، تالیف استاد مہدی پیشوائی، ص ۱۷۹)

اور یزید نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لئے جس معلم اور اتالیق کا انتظام کیا تھا وہ بھی عیسائی تھا۔ (سیرۂ پیشوایان، تالیف استاد مہدی پیشوائی، ص ۱۷۹)

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یزید کی زندگی بگڑی ہوئی عیسائیت کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی جس کا اظہار یزید کے اشعار سے بخوبی ہو جاتا ہے:

رسومات حج میں سے ایک رسم ''ہرولہ'' ہے اس کی توہین کرتے ہوئے یزید اپنے اشعار میں کہتا ہے: ''میرا سورج انگور سے ہے اور اس سورج کا برج صراحی میں شراب کی گاد ہے (یہ سورج) مشرق سے دست ساقی سے طلوع کرتا ہے اور مغرب میں میرے منھ میں جا کر غروب ہو جاتا ہے، اور جب

صراحی سے جام میں شراب پلٹی جاتی ہے تو اُس کی آواز ایسی محسوس ہوتی ہے جیسے حجاج حج میں دیوار کعبہ اور زمزم کے درمیان ہرولہ میں مشغول ہوں، پس اگر دین احمد میں (شراب پینا) حرام ہے تو تم اسے دین مسیح بن مریم کے نام پر لے لو اور پی جاؤ'' (مجموعہ آثار استاد شہید مطہری، ج ۱۷، ص ۲۶۴)

(جبکہ دین مسیح میں بھی شراب حرام تھی، مگر بگڑی ہوئی عیسائیت نے شراب کو جائز کرلیا تھا)، اسی طرح کے دیگر اشعار میں یزید اپنے فاسد عقائد کا اس طرح اظہار کرتا ہے: اے میرے ہم پیالہ دوستو! اٹھو اور اچھی آوازوں والے گانے سنو، شراب کے پیالے پے در پے پی جاؤ اور معنوی ذکر (یادِ قرآن) کو چھوڑ دو'' گانے کی آوازیں مجھے اذان کی آواز سننے سے روک لیتی ہیں، میں نے جنت کی حوروں کے بدلے (جو کہ ادھار ہیں کیونکہ ان کا وعدہ ہی تو کیا گیا ہے) پرانی شراب کے جام (جو کہ نقد ہیں) کو انتخاب کیا ہے'' (سیرۂ پیشوایان ص ۱۷۶)

یزید کو نہ تو اسلامی حکومت کے امور میں دلچسپی تھی اور نہ ہی اسے ارکان حکومت سے کوئی ہمدردی تھی، ایک سال معاویہ نے سفیان بن عوف غامدی کی سربراہی میں رومیوں سے جنگ کے لئے ایک لشکر ترتیب دے کر قسطنطنیہ روانہ کیا اور یزید کو بھی ساتھ بھیجا، یزید اس سفر میں اپنی محبوبہ ''ام کلثوم بنت عبداللہ بن عامر کریز'' کو ساتھ لے گیا، سفیان تو لشکر لے کر روم تک پہنچ گیا لیکن یزید دمشق کے نزدیک عیسائیوں کے ''دیر مراں'' میں اپنی محبوبہ کے ساتھ ٹھہر گیا اور عیش وعشرت میں مشغول ہوگیا، اُس زمانے میں عیسائیوں کے دیر موج مستی کے اڈے ہوا کرتے تھے۔

اُدھر اسلامی لشکر میں بُری آب وہوا کے اثر سے'' غدقدونہ'' کے مقام پر چیچک اور بخار پھیل گیا، یزید کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو اس نے یہ شعر کہا: مجھے کوئی خوف نہیں ہے کہ مسلمان سپاہی ''غدقدونہ'' میں چیچک میں مبتلا ہوکر مرجائیں جب کہ میں دیر مران کے کمروں کے درمیان نرم گاؤ تکیوں پر تکیہ کئے بیٹھا ہوں اور ام کلثوم میری بغل میں ہے''

(یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں، مرتب ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی، ص ۱۸۴)

بنی امیہ کے پروپیگنڈے سے متاثر بعض نادان مسلمان یزید کی مغفرت کے سارٹیفکٹ مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرتے پھرتے ہیں جس میں اسی قسطنطنیہ کی جنگ کا حوالہ دیتے ہیں، حالانکہ

یزید قسطنطنیہ تک پہنچا ہی نہیں اور اگر پہنچ بھی جاتا اور جنگ میں شریک بھی ہو جاتا تو اس کا یہ عمل قیامت تک کے لئے گارنٹی نہیں بن سکتا تھا کیونکہ قسطنطنیہ کی جنگ کے بعد خلافت سنبھالتے ہی یزید نے تین بڑے گناہ ایسے انجام دیئے ہیں کہ جن کی پاداش اسے جہنم کے سخت عذاب کی شکل میں ضرور ملے گی۔

یزید کی عیسائیت نوازی یہیں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ یزید نے حکومت سنبھالنے کے بعد روم کے دو جزیروں سے مسلمان سپاہیوں کو ہٹا کر اسلامی قبضہ ختم کرا کے عیسائیوں کو ہمیشہ کے لئے مطمئن کر دیا۔

حسینی انقلاب نے تمام انصاف پسندوں کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے اور باشعور لوگ اس انقلاب سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں، اس انقلاب نے تمام حریت پسندوں کے دلوں میں جوش وولولہ بھر دیا ہے۔

یزید کے اس اقدام کو عیسائیت نوازی اور اسلام دشمنی ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے ابن کثیر کی کتاب بدایہ والنہایہ اور تاریخ طبری کے حوالے سے اس بارے میں لکھا ہے کہ: ”حضرت معاویہ کے دور حکومت میں ۵۳ ہجری میں جزیرہ ”روڈس“ فتح ہوا اور وہاں مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی قائم کر دی گئی، اس چھاؤنی کی وجہ سے بحر روم میں عیسائی فوجوں کی نقل وحرکت خطرہ میں پڑ گئی تھی، امیر معاویہ ان مجاہدین اسلام کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ہر وقت ان کی مدد پر کمر بستہ رہتے تھے مگر ان کے نالائق بیٹے نے سب سے پہلے کام یہ کیا کہ ان مجاہدین کو اس جزیرہ سے منتقلی کے فوری احکام بھیجے، آخر وہ بیچارے پیچھے سے رسد اور کمک منقطع ہو جانے کے ڈر سے شاہی حکم کے مطابق ”روڈس“ کو خالی کر کے اپنی زمین جائداد، کھیت اور باغات کو خیر باد کہہ کر بادل ناخواستہ وہاں سے چلے آئے اور یوں بغیر لڑے بھڑے مفت میں یہ مسلمانوں کا مفتوحہ جزیرہ نصاریٰ (عیسائیوں) کے ہاتھ آ گیا۔

اسی طرح ۵۴ ہجری میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کے قریب جزیرہ ”ارواد“ فتح کیا تھا وہاں بھی مسلمان سات سال تک قابض رہے مگر یزید کو وہاں بھی مسلمانوں کا قبضہ ایک آنکھ نہ بھایا اور اپنے دور

حکومت کے پہلے ہی سال میں مسلمانوں کو وہاں سے واپسی کا حکم دے کر بلوالیا۔
(یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں، مرتب ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی، ص ۳۸۷)

معاویہ نے یزید کے بعض کرتوت تو اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے پھر بھی ایسے نالائق کو امت مسلمہ پر مسلط کرنا! اور شامیوں کا بے چوں وچرا اپنا حاکم مان لینا شامیوں اور دوسرے مسلمانوں کی بے حسی، بزدلی اور بنی امیہ کے پروپیگنڈے سے متاثر ہونے کو بیان کرتا ہے، امام حسینؑ اسلامی معاشرے سے اسی بزدلی اور بے حسی کے ساتھ بنی امیہ کے چالیس سالہ پروپیگنڈے کو بے اثر کرنا چاہتے تھے تاکہ شام کے ہر گھر میں یہ پیغام پہنچ جائے کہ رسول اللہؐ کے حقیقی وارث اہل البیتؑ ہیں نہ کہ بنی امیہ۔

بہر حال یزید کا اسلام کے ساتھ رابطہ بہت کمزور تھا، وہ جس اسلام کے نام پر حکومت کر رہا تھا اسی کو پامال کر رہا تھا، یزید برسر اقتدار آنے سے پہلے ہی ایک ہوس پرست آدمی تھا اور اس کے دل میں جو خواہش ابھرتی تھی وہ اسے پورا کرلیتا تھا، حد سے زیادہ خواہش پرستی کی وجہ سے وہ کسی بھی طرح تقویٰ اور زہد کا مظاہرہ بھی نہیں کرسکتا تھا اور اس قدر گناہ اور معصیت سے آلودہ ہوچکا تھا کہ یہ بات سب پر پوری طرح عیاں ہوگئی تھی کہ یہ مقام خلافت کا اہل نہیں ہے اور یہ چیز امام حسینؑ کے انقلاب کے لئے بہترین مجوز تھی کیونکہ اموی حکومت کے حامیوں کے لئے اس صورت میں ممکن ہی نہ رہا تھا کہ انقلاب امام حسینؑ کو رائے عامہ کے سامنے ''اقتدار کی جنگ'' یا ''خطائے اجتہادی'' کے طور پر پیش کرسکیں جب کہ معاویہ کے ہر گناہ پر بنی امیہ ''خطائے اجتہادی'' کا لیبل چسپاں کردیتے تھے۔

یہ چیز لوگوں کو بھی اچھی طرح معلوم ہوچکی تھی کہ اس وقت یزید کی ناپاک سیرت کے مقابلہ میں انقلاب کا شرعی جواز موجود ہے، یزید کی وہ سیرت جو کسی بھی اعتبار سے دینی نہ تھی، لہٰذا دین کی حمایت اور بنی امیہ کے ظلم سے مسلمانوں کو نجات دینے کے لئے حسینی انقلاب کو اب ہر شخص قبول کرسکتا تھا، حالانکہ امام حسینؑ اسلامی معاشرے کی اس بزدلی کی وجہ سے فکرمند بھی تھے جس نے یزید کی مذکورہ نصاریٰ دوستی اور اسلام دشمنی کے باوجود اُسے اپنے حاکم کے طور پر قبول کرلیا تھا۔

امام حسینؑ سماج کی اس بزدلی اور جمود کو توڑنا چاہتے تھے اور اسلامی سماج کو ایسا دیکھنا چاہتے

تھے جو متحرک، بیدار اور فعال ہو اور آئندہ کبھی ایسے بدکرداروں کے سامنے سر تسلیم خم کہ آپ باقاعدہ طور پر قیام کا اعلان فرماتے معاویہ کے انتقال کے فوراً بعد یزید نے بیعت کا مطالبہ کر ڈالا، یعنی یزید چاہتا تھا کہ امام حسینؑ کو مجبور کر دے کہ وہ بھی معاشرے کے دیگر افراد کی مانند اموی حکومت اور خود یزید کے تمام فسق و فجور اور ظلم و زیادتی پر خاموش رہیں، اور زبان نہ کھولیں!

یزید کی جانب سے بیعت کا مطالبہ حسینی انقلاب کی اصل وجہ نہیں ہے اور نہ ہی اہل کوفہ کے خطوط کو قیام امام حسین کا سبب قرار دیا جا سکتا ہے، یہ دونوں وجہیں جزئی طور پر حسینی انقلاب میں موثر واقع ہوئی ہیں، یزید کے مطالبہ بیعت سے پہلے ہی امام حسینؑ اموی سیاست و حکومت پر اعتراض اور مخالفت کر چکے تھے، تاریخ کی کتابوں میں امام حسینؑ کی بہت سی تقریریں اور خطوط موجود ہیں جو اس بات کا ثبوت بنتے ہیں، اسی طرح اہل کوفہ کے خطوط بھی امام حسینؑ کے انکار بیعت کے ڈیڑھ ماہ بعد ان کے پاس آنا شروع ہوئے اور اس سلسلہ کا پہلا خط عبداللہ بن سبع ہمدانی اور عبداللہ بن دال آپ کے پاس ۱۰ رمضان ۶۰ ہجری کو مکہ میں لے کر آئے۔

(تاریخ ابن کثیر، ترجمہ مولانا اختر فتحپوری، ج ۸، ص ۱۰۱۳)

اگر اہل کوفہ کی دعوت امامؑ کے قیام کا اصل سبب ہوتی تو آپ کوفہ کے حالات سے آگاہ ہونے کے بعد اپنا سفر جاری نہ رکھتے، اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسینؑ نے حضرت مسلمؑ کی شہادت اور کوفیوں کی دغا کے بارے میں خبریں سن کر پہلے سے زیادہ پُرجوش خطبے دیئے اور تقریریں کیں، کیونکہ امام حسینؑ کا مقصد یزید کی غیر اسلامی روشِ حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنا تھا، جس سے اسلامی معاشرہ منکرات اور فساد و آلودگیوں میں جکڑ گیا تھا، جس کا سرچشمہ یزید کی حکومت تھی، لہٰذا ایسی صورت میں امام حسینؑ یزید کی حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنے کو الٰہی اور شرعی فریضہ سمجھتے تھے، اور اپنے چاہنے والوں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے کہ وہ بھی اس انقلاب میں شامل ہو جائیں۔

یہ استغاثہ ہمیں اسی انقلاب میں شامل ہونے کی دعوت دے رہا ہے اور یہ استغاثہ قیامت تک اسی طرح فضاؤں میں گونجتا رہے گا اور حسینیوں کو دعوت انقلاب دیتا رہے گا، امام کے اس استغاثے سے جہاں کربلا میں موجود شامیوں پر حجت تمام ہوگئی وہیں قیامت تک ہم پر بھی "لبیک یا حسینؑ" کے

ذریعہ امام کے استغاثے کا جواب واجب ہوگیا ہے۔

اگر ہم صرف زبان سے "لبیک یا حسینؑ" کہیں تو کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ عمل سے امام حسینؑ کی نصرت کریں، خدانخواستہ اگر آج سماج میں ایسی برائیاں موجود ہوں جو یزیدی سماج میں تھیں اور ان سماجی برائیوں کے مقابلے میں کوئی شخص، انجمن یا ادارہ آگے نہیں آئے تو کیا ایسا سماج حسینی ہوسکتا ہے؟ کیا ایسا سماج امام حسینؑ کے استغاثے کا جواب "لبیک یا حسینؑ" کی شکل میں دے سکتا ہے؟

یوں تو یزیدی بھی نماز پڑھتے تھے، قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور حج وغیرہ کے علاوہ دیگر ارکان اسلام بھی بجالاتے تھے لیکن اُن کے سماجی اور معاشرتی معاملات میں اسلام کا کوئی دخل نہیں رہ گیا تھا۔

"لبیک یا حسینؑ" بہت مقدس نعرہ ہے اس نعرہ کو دل سے لگانے والا حقیقی حسینی بن جاتا ہے، سچا حسینی اس نعرہ کے معنی کو بھی اچھی طرح سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ:

"لبیک یا حسینؑ" یعنی تنہا اپنے لئے نہ سوچنا بلکہ پوری قوم اور سماج کی بہبودی کی فکر کرنا۔

"لبیک یا حسینؑ" یعنی نہ خود کسی پر ظلم کرنا اور نہ کسی کا ظلم برداشت کرنا

"لبیک یا حسینؑ" یعنی جھوٹ نہ بولنا "لبیک یا حسینؑ" یعنی کیسے ہی بدکردار کو اپنے اوپر حاکم نہ بنالینا۔

"لبیک یا حسینؑ" یعنی ظالم سے مظلوم کو اُس کا حق دلانے کے لئے قرآن کے مطابق فیصلہ کرنا، ظالم اور مظلوم دونوں کو آدھے آدھے پر بیٹھ جانے کو نہ کہنا!

"لبیک یا حسینؑ" یعنی عام راستوں کو تنگ نہ کردینا۔

"لبیک یا حسینؑ" یعنی امر بالمعروف کرنے والوں کو بے وقوف نہ سمجھنا "لبیک یا حسینؑ" یعنی مریضوں کو (پاگل سمجھ کر) ان کا مذاق نہ اڑانا۔

"لبیک یا حسینؑ" یعنی دینی بھائیوں کو پریشان کرنے کے لئے اُن کے ذرائع بند نہ کردینا

"لبیک یا حسینؑ" یعنی اپنی زبان کو گالیوں سے محفوظ رکھنا۔

"لبیک یا حسینؑ" یعنی یتیم اور بیواؤں کا حق نہ کھالینا۔

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی ایک دوسرے کی زمین، جائیداد اور مکان پر ناجائز قبضے نہ کرلینا۔
''لبیک یاحسینؑ'' یعنی تھانوں کچہریوں میں اپنے دینی بھائیوں کی جیب نہ لٹوادینا۔
''لبیک یاحسینؑ'' یعنی دینی بھائیوں کے خلاف جھوٹی گواہیاں نہ دینا۔
''لبیک یاحسینؑ'' یعنی دینی بھائیوں کے خلاف انہیں ستانے کے لئے ان پر جھوٹے مقدمے قائم نہ کرنا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی چند سکوں میں اپنے مذہب اور عقائد کا سودا نہ کرلینا۔

امامؑ کے اس استغاثے سے جہاں کربلا میں موجود شامیوں پر حجت تمام ہوگئی وہیں قیامت تک ہم پر بھی ''لبیک یاحسینؑ'' کے ذریعہ امام کے استغاثے کا جواب واجب ہوگیا ہے صرف زبان سے ''لبیک یاحسینؑ'' کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ عمل سے امام حسینؑ کی نصرت کریں

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی حرام روزی سے اپنے بچوں کی پرورش نہ کرنا۔
''لبیک یاحسینؑ'' یعنی شادی بیاہ اور مرنے جینے میں نئی نئی بے ہودہ رسمیں قائم کرکے سماج کے غریبوں کو پریشان نہ کرنا۔
''لبیک یاحسینؑ'' یعنی ماڈرن ازم کے نام پر اپنی ناموس کو اپنے ہاتھوں بے حجاب نہ کرنا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی تمام واجبات کو ان کے وقت پر ادا کرنا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی تمام حرام کاموں سے پرہیز کرنا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی اپنے دینی بھائیوں کو بغیر سود کے قرض دینا۔
''لبیک یاحسینؑ'' یعنی اپنے پڑوسی یا رشتہ دار کو بھوکا نہ سونے دینا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی قوم کے بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ہر وقت فکرمند رہنا۔
''لبیک یاحسینؑ'' یعنی قوم کے لئے علاج معالجہ کی سہولتوں پر توجہ رکھنا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی چند سکوں میں پوری قوم کا سودا نہ کرلینا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی مومن بھائیوں کی غیبت نہ کرنا۔
''لبیک یاحسینؑ'' یعنی حق بات یا تحریر کی مخالفت نہ کرنا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی ایک دوسرے سے حسد نہ کرنا۔

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی سماج کی اصلاح کرنے والوں کی ہر طرح حمایت کرنا۔

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی چند سکوں میں اپنا ضمیر نہ بیچنا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دینا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی کسی پر ظلم ہوتا دیکھ کر خاموش نہ بیٹھنا۔

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی ماتمی انجمنوں کو سیاست کا اکھاڑا نہ بننے دینا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی ماتمی انجمنوں کی کمان مذہبی افراد کے ہاتھوں میں ہی دینا۔

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی اشعار یا خطابت کے ذریعہ امام حسینؑ کے خون کی تجارت نہ کرنا۔

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی محافل و مجالس جیسے اہم اسلامی پلیٹ فارم کو کم علم اور غیر ذمہ دار ذاکرین کے ذریعہ تباہ و برباد نہ ہونے دینا۔

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی دین پر رسموں کو ترجیح نہ دینا۔

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی دینی اداروں کی سربراہی میراث کے طور پر اپنی اولاد میں منتقل نہ کرنا

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی قومی و مذہبی سرمائے سے بنائے گئے دینی اداروں کو اپنی ملکیت قرار نہ دینا۔

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی اوقاف کی لوٹ کھسوٹ نہ کرنا ''لبیک یاحسینؑ'' یعنی خمس و زکات کو اپنا ذاتی سرمایہ نہ سمجھنا۔

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی چند سکوں کی خاطر مرجعیت کی مخالفت نہ کرنا۔

''لبیک یاحسینؑ'' یعنی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دین سے بغاوت نہ کرنا، اس نعرہ کو دل سے لگانے والا یہ بھی جانتا ہے کہ خدانخواستہ اگر کسی سماج میں یزیدی سماج کی علامتیں پائی جائیں تو اسے حسینی انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے؟ کیا سماج سے مذکورہ برائیوں کو دور کرنے کے لئے صرف موجودہ رسوم عزا ہی کافی ہیں؟! تو ان مراسم عزا سے سماج میں تبدیلی نہیں آئے گی بلکہ اس وقت ہمارے ہندوستانی شیعہ سماج کو تبدیلی اور حسینی انقلاب کی ضرورت ہے، لہٰذا اپنے سماج کو حسینی بنانے کے لئے ہمیں میدان عمل میں آکر ''لبیک یاحسینؑ'' کہنا چاہئے جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔

★★★★★

تحفظ پیغام کربلا اور جناب ام کلثومؑ

عالیجناب مولانا سید نجیب الحسن زیدی صاحب

ہر انقلابی تحریک اپنے اندر دو عناصر پوشیدہ رکھتی ہے (۱) خون، (۲) پیغام، خون کی حدت جہاں تحریک کی زندگی ہے وہیں پیغام اس زندگی کی بقا ہے بس دونوں میں فرق یہ ہے کہ خون دینے والا اپنے لہو سے اپنے مقصد کی آبیاری کر کے شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے لیکن مقصد کو باقی رکھنے والا پل پل جیتا اور مرتا ہے، شہید مقصد پر قربان ہو جاتا ہے اسکا خون یہ اعلان ضرور کرتا ہے کہ ناحق قتل کیا گیا، لیکن اس قتل کے پیچھے کیا مقصد تھا یہ خون نہیں بتاتا اس مقصد کو بیان کرتی ہیں وہ ہستیاں جو شہید کے مقصد کی پاسبان ہیں۔

لہذا ہر تحریک کے لئے جہاں ضرورت ہوتی ہے خون کی وہیں ضرورت ہوتی ہیں ایسی ہستیوں کی کہ جو شہید کے مقصد کو عام کریں اسکے فلسفہ شہادت کو بیان کریں، تحریک کربلا میں بھی یہ دونوں عناصر بَھم مل جائیں گے ایک طرف خون ہے اور خون کے لئے ان پاکیزہ افراد کا انتخاب ہے کہ جن کا خون انسانی اقدار کی رہتی دنیا تک حفاظت کر سکتا ہو تو دوسری طرف وہ مقدس ہستیاں بھی ہیں جو خون جگر پی پی کر مقصد شہادت کی ترجمانی یوں کرنا جانتی ہیں کہ قاتل کا گھر ہی مقتول کی پہلی عزاداری کا مرکز بنتا ہے اور قاتل کے گھر میں ہی فرش عزا بچھا کر اپنے شہیدوں کی فتح کا اعلان کر دیتی ہیں۔

جہاں مقصد کے لئے خون دینے والا انسان ہر کوئی نہیں ہو سکتا بلکہ اسکے لئے ضرورت ہے ان بہتر افراد کی جنکی سوچ، گفتار رفتار، سب ایک ہو وہیں مقصد کی پاسبانی بھی ہر ایک نہیں کر سکتا اسکے لئے

بھی ضروری ہے کہ ان ہستیوں کا انتخاب کیا جائے جو منشاء امامت کو سمجھتی ہوں، مقصد حسینی کی گہرائیوں سے واقف ہوں، جہاں کربلا کے تپتے ہوئے ریگزاروں کو اپنے لہو سے سیراب کرنے والے بے نظیر ہیں وہیں اس قربانی کے مقصد کے پاسبان کی بھی نظیر نہیں ملتی۔ وہاں حسینؑ ہیں تو یہاں زینبؑ وہاں عباس ہیں تو یہاں ام کلثوم، وہاں قاسم و اصغر ہیں تو یہاں صغریٰ و سکینہ۔۔۔

جہاں ان لوگوں کا کہ جنہوں نے کربلا کے میدان میں قربانی دے کر دین کو بچایا ہے ہم پر حق ہے کہ ہم انکی حیات کے مختلف گوشوں کو جانیں وہیں یہ بھی حق ہے کہ جن لوگوں نے ان شہیدوں کے مقصد کو ہم تک پہونچایا ہے انہیں بھی قریب سے جانا جائے۔

بعد کربلا یوں تو اہل حرم میں ہر ایک اپنی اپنی جگہ ایک ایسے کردار کا حامل ہے کہ جسکے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالی جائے تو اپنے آپ میں ایک کتاب ہے لیکن دو شخصیتیں ایسی ہیں کہ جن پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے:

اور وہ ذوات مقدسہ ہیں جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ، جناب زینبؑ پر کافی کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے قلم و زبان دونوں سے آپکی لاثانی شخصیت کے بارے میں عام طور پر بیان ہوتا ہی رہتا ہے اگر چہ یہ سب کم ہے اور کسی بھی اعتبار سے کافی نہیں کہا جا سکتا لیکن بی بی ام کلثوم (علیہا السلام) کی شخصیت پر علماء اور دانشور، اور اہل تحقیق طبقے سے مزید امیدیں وابستہ ہیں:

جناب ام کلثوم:

آپکی ولادت ۶ ھجری، اور وفات قید شام سے رہائی کے ۴ مہینہ دس دن یا ۵ مہنیہ بعد مدینہ میں نقل کی گئی ہے۔

فاطمہؑ جیسی ماں۔ علیؑ جیسا باپ حسنین علیہما السلام جیسے بھائی، زینبؑ جیسی بہن ہر ایک اپنے اپنے مقام پر لاجواب و لاثانی، اور ان لاثانی ہستیوں کے درمیان آپکا وجود یقینا آپکی شخصیت کو ہر ایک کو ممتاز بنا کر پیش کرتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟

جسکے بھائی جوانان جنت کے سردار ہوں، باپ ساقی کوثر، بہن عالمہ غیر معلمہ ہو اور ماں شاہزادی جنت و سیدۃ النساء العالمین ہو ایسی ذات پر حق ہے کہ زمانہ ناز کرے۔

اور حق ہے کہ امام حق ایسی شخصیت کو اپنے عظیم مقصد کی پاسبانی کے لئے انتخاب کرے اور اسکے کاندھوں پر اپنے مقصد کی ترجمانی کی عظیم ذمہ داری دے کر درجہ شہادت پر فائز ہو جائے کہ میں نہیں تو کیا میری بہن میرے بعد میرے پیغام کو زینبؑ کی سربراہی میں یوں عام کرے گی کہ جہاں بھی کسی کا حق مارا جائے گا یا کسی بے نوا کو ستایا جائے گا حسینی پیغام مظلوموں اور بے سہارا لوگوں کے لئے سفینہ نجات بنکر انہیں ساحل نجات سے ھم کنار کرے گا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حسینؑ مدینہ سے نکلے تو جہاں زینبؑ کو ساتھ لیا وہیں اس چھوٹی بہن کو بھی اپنے کاروان میں شامل کر لیا جو جلالت و کرامت میں زینبؑ سے کم نہیں، اگر زینبؑ نے اپنے آتشین خطبوں سے ابن زیاد کے دربار کو لرزہ براندام کیا ہے تو ام کلثومؑ نے بھی اپنے اشعار اور خطبات سے کوفہ اور شام کے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کیا ہے۔ سیرت و کردار پر نظر ڈالی جائے تو کہیں علیؑ کی یہ چھوٹی بیٹی علیؑ نظر آتی ہے تو کہیں غیظ میں عباسؑ۔

گو کہ مہکتا ہوا وہ پھول ہے جسمیں حسنین علیہما السلام کی خوشبو بھی ہے فاطمہ و علیؑ کی نکہت بھی۔

تصویر زہرا سلام اللہ علیہا:

فاطمہ زہراؑ کو جب بھی کسی نے دیکھا از سرتا پا چادر میں ڈھکا دیکھا، آپکا خاص وقار، اور شخصیت کا رعب ہی آپکی ذات کا معرف ہوا کرتا تھا یا وہ گفتگو کا انداز جسمیں جب بھی کلمات دہن مبارک سے نکلتے تو یوں لگتا جیسے آیات قرآنی کا نزول ہو رہا ہو یہی وہ چیزیں تھیں جنہیں دیکھ کر اصحاب اور دوست داران اھلبیت اطہار علیھم السلام سمجھ جاتے تھے کہ یہ رسول کی اکلوتی بیٹی فاطمہ زہراؑ ہے عمر بن منذر نامی شخص بھی انہیں لوگوں میں سے ہوگا جس نے کبھی بی بی کو دربار میں خطبہ دیتے سنا ہوگا یا لوگوں سے آپکی با وقار شخصیت کے بارے میں سنا ہوگا، بعد کربلا جب اسیران حرم کو قید کر کے کوفہ اور شام کے بازاروں میں لایا گیا تو اس شخص کی نظر ایک بی بی پر پڑی اسے ایسا لاگا جیسے فاطمہ ازہراؑ خود ان اسیروں کے قافلے میں ہیں پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ فاطمہ نہیں علیؑ کی چھوٹی بیٹی ام کلثومؑ ہے چنانچہ عمرو بن منذر ھمدانی کہتا ہے میں نے جناب ام کلثوم (علیھا السلام) کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا آپ نے اپنے چہرے کو چھپایا ہوا تھا ایک پھٹی ہوئی پرانی چادر سر پر تھی، مجھے ایسا لگا جیسے بی بی فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیھا) کو دیکھ رہا ہوں۔ (منتھی الآمال)

شجاعت حیدری:

جہاں گفتار و رفتار میں آپ اپنی ماں شہزادی کونین سے مشابہ تھیں وہیں شجاعت و دلیری میں اپنے بابا علیؑ کی ورثہ دار تھیں۔

جنگ جمل کے دوران آپکو معلوم ہوتا ہے کہ حفصہ نے ایک محفل بپا کی ہے جس میں اس وقت کی مشہور مغنیہ عورتیں حضرت علیؑ کے اوپر لعن وطعن کرنے کے لئے اشعار کے پیرایہ میں حضرتؑ سے اپنے بغض وکینہ کا اظہار کریں گی اور حاضرین تالیاں بجا کر انکے اس مذموم عمل میں شریک ہوں گی۔

چنانچہ آپ اس جگہ تشریف لے جاتی ہیں جہاں حفصہ کے ساتھ ساتھ دیگر عورتیں امیر المومنینؑ کی گستاخی کے لئے جمع تھیں اور آپکی مذمت میں اشعار پڑھے جا رہے تھے آپ حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے غضبناک لہجے میں فرماتی ہیں: یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ تم آج علیؑ سے دل میں رکھے بغض وعناد کو ظاہر کر رہی ہو اس سے پہلے بھی علیؑ کے بھائی محمد مصطفےٰ (ص) کے ساتھ بھی تمہارا یہی شیوہ تھا یہاں تک کہ اس سلسلہ میں خدا نے جو چاہا وہی کیا اور یہ آیت نازل کی (جس میں پیغمبر اسلام (ص) کے شہد کھانے پر آپکی کچھ ازواج (جس میں حفصہ بھی شامل تھیں) کو اعتراض ہوتا ہے اور انکے دل میں حضور (ص) کو لیکر دیگر ازواج کے ساتھ حسد پیدا ہوتا ہے تو ان کی مذمت میں آیت نازل ہوتی ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (ترجمہ علامہ جوادی (۲۸ پارہ ص ۱۱۵۳)

''ان تطوبی الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظاھرا علیه فانّ اللہ ھو مولیه و جبریل و صالح المؤمنین واالملائکة بعد ذالک ظھیر'' ترجمہ: اب تم دونوں توبہ کرو کہ تمہارے دلوں میں کجی پیدا ہوگئی ہے ورنہ اگر اسکے خلاف اتفاق کروگی تو یاد رکھو کہ اللہ اسکا سرپرست ہے اور جبرئیل اور نیک مومن اور ملائکہ سب اسکے مددگار ہیں۔ (تحریم، آیہ ۴ ترجمہ: علامہ جوادی ص ۱۱۵۳)

آپکی اس مستدل گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ حفصہ نے اپنے ہی ہاتھوں سے اس کاغذ کو پارہ پارہ کردیا جس میں امام علیؑ کے سلسلہ میں گستاخانہ اشعار درج تھے۔ (ام کلثوم ص ۲۰)

حاسدوں کی بزم میں جا کر اپنے بابا کا یوں دفاع، اور حسد کرنے والوں کے منھ کو یوں انکی مذمت میں نازل ہونے والی آیت پڑھ کر بند کر دینا یہ کام وہی بیٹی کر سکتی ہے جو شجاعت حیدری کی

وارث ہو۔

☆جب اسیران حرم کوشام سے مدینہ روانہ کرنے کا فیصلہ کیا تو یزید کے حکم سے لوٹا گیا مال واپس لایا گیا اور اسے واپس کرنے کے بعد یزید نے حکم دیا کہ ریشمی چادروں کو بچھا کر اسے زرو جواہر سے بھر دیا جائے جب ریشمی چادریں مختلف اموال سے بھر گئیں تو یزید نے جناب ام کلثوم (علیھا السلام) سے کہا: خذو اھذہ الاموال عوض ما اصابکم ''ہم نے جو کچھ بھی تمہیں تکلیف پہونچائی ہے اسکے بدلے میں یہ مال لے لو۔

شہید مقصد پر قربان ہو جاتا ہے اسکا خون یہ اعلان ضرور کرتا ہے کہ ناحق قتل کیا گیا، لیکن اس قتل کے پیچھے کیا مقصد تھا یہ خون نہیں بتاتا اس مقصد کو بیان کرتی ہیں وہ ہستیاں جو شہید کے مقصد کی پاسبان ہیں۔

علیؑ کی بیٹی نے یزید کی یہ مکارانہ چال دیکھی تو دو ٹوک لہجے میں غضبناک ہوکر فرمایا: یا یزید ما اقلّ حیائک و اصلب وجھک ،تقتلا اخی و اھل بیتی و تعطینی عوضھم مالا ، واللہ لا کان ذالک ابدا ''ترجمہ: اے یزید تو کس قدر بے حیا، بے شرم اور سخت دل ہے کہ تو نے میرے بھائی اور میرے گھر والوں کو پہلے تو قتل کیا اور اب چاہتا ہے کہ مال دنیا کے ذریعہ اسکا حساب چکائے خدا کی قسم علیؑ کی بیٹی کبھی یہ منظور نہیں کریگی، یزید جب یہ سنا تو خاموش ہوگیا اور نہ صرف یہ کہ اس نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ نعمان بن بشیر کی سرپرستی میں یہ تاکید کرتے ہوئے کہ اس گھرانے کے ساتھ ذرہ برابر بھی بے ادبی نہ ہونے پائے اہل حرم کو مدینہ روانہ کردیا ۔

سچ ہے اپنے بھائی کے قاتل یزید جیسے سفاک درندے کو اسکی اوقات بتانا اور اسے منھ پر کھلے الفاظ میں بے شرم او بے حیا کہنا ایک دلیر انسان کی دلیر بیٹی کا ہی کارنامہ ہوسکتا ہے۔

فصاحت و بلاغت:

آپکی فصاحت و بلاغت کے سلسلہ میں تاریخوں میں ملتا ہے کہ ''ام کلثوم (علیھا السلام) کانت فھیمۃ جدا و ذات فصاحتہ'' آپ فہم و فراست کے ساتھ ساتھ صاحب فصاحت و

بلاغت بھی تھیں۔ (اعلام النساء ص ۱۸۲)

''آپ کی گفتگو فصیح و بلیغ ہوتی تھی اور اسی کے ذریعہ آپ نے اسیری کے دوران ظلم و ستم کے خلاف معرکۃ الآراء خطبے دیکر حکام ظلم و جور کو بے نقاب کیا'' (مقتل الحسین مقرم)

آپ اپنے زمانے کی جلیل القدر خواتین میں شمار ہوتی تھیں اور آپکی فہم و فراست اور فصاحت و بلاغت کا ذکر تاریخی منابع میں جا بجا مل جائے گا۔ (ریحانۃ الادب جلد ۸ ص ۳۲۴)

جب آپ مدینہ میں داخل ہوئیں اس وقت بھی آپ نے جن اشعار کے ذریعہ اپنی اور خاندان رسول (ص) کی پہچان بتائی ہے وہ بھی بے بدیل ہیں۔

فرماتی ہیں: "نحن بنات يسين و طه نحن الصابرات على البلايا نحن الصادقون الناصحون۔۔۔" ہم یٰسین اور طٰہٰ کے لقب سے جانے جانے والے رسول کی بیٹیاں ہیں، ہم مصائب و شدائد پر صبر کرنے والے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں ہم وہ لوگ ہیں جنھیں صادقین اور ناصحین کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جب اسیران حرم وارد کوفہ ہوئے اور آپ نے ان لوگوں کو دیکھا کہ جنہوں نے پہلے تو آپکے بھائی کو خطوط لکھ کر بلایا اور پھر کربلا میں یک و تنہا چھوڑ دیا تو آپ کا دل بھر آیا اور آپ نے فی البداہہ کچھ اشعار پڑھے جو اسطرح تھے۔

سفکتم دماء حرم اللہ سفکها و حرمتها القرآن ثم محمد۔۔۔

تم نے وہ خون مباح جانا ہے جسے قرآن اور رسول اللہ نے حرام جانا تھا۔ (لهوف ص ۲۶)

پھر فرماتی ہیں: قتلتم اخی صبرا فويل لامكم ستتجزون نارا حرها يتوقد

الا فابشروا بالنار انكم غدا لفي سقر حقا يقينا تخلدوا

و اني لابكي في حياتي على اخي على خير من بعد النبي سيولد

بدمع غزير مستهل مكفكف على الخد مني دائما ليس يجمد

تم نے جو میرے بھائی کو رلا رلا کر شہید کیا ہے تمہاری مائیں تمھارے ماتم میں بیٹھیں تمھارے اس عمل کے عتاب میں عنقریب ہی بھڑکتی ہوئی آگ تمہارے پیچھے آنے والی ہے۔ اور تمہیں آگاہ کرتی

ہوں کہ تم کل جھنم کی بڑھکتی ہوئی آگ میں جلنے کے لئے تیار ہوجاؤ اس میں ذرا بھی شک نہ کرنا کہ تمھارا ٹھکانہ جھنم کا ابدی عذاب ہے میں جیتے جی اپنے بھائی پر روتی رہوں گی بھلا اس بھائی پر کیونکر نہ روں جو بعد رسول (ص) بہترین لوگوں میں تھا میں اپنے بھائی پر رووں گی اور یوں رووں گی کہ ہمیشہ آنسو میرے رخساروں پر ڈھلکتے رہیں گے اور کبھی خشک نہ ہوں گے۔

سحر انگیز بیان اور آتشین خطبے:

جب آپ نے کوفے کے لوگوں کو بالا خانوں چھتوں اور ٹیلوں پر چڑھ کر اھلبیت اطہار (علیھم السلام) کے اسیروں کا تماشہ دیکھنے میں ایک دوسرے پر سبقت لیجاتے ہوئے دیکھا تو آپ نے انکو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ائے کوفہ کے لوگو! وائے ہو تم پر تم نے کیوں میرے بابا (حسین) کو اکیلا چھوڑ دیا ؟ کیوں مرے بابا کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے؟ اسکے بعد اہل حرم کو کیوں اسیر کیا؟

کیا تمہارے پاس اسکا کوئی جواب ہے؟ تمہارے پاس کیا جواب ہوگا ؟ تمہیں تو یہ بھی نہیں معلوم ہے تم نے کسے قتل کیا ہے؟ تم نے اسے قتل کیا ہے پیغمبر (ص) کے بعد جسکا کوئی مثل نہ تھا تم نے اسکا خون بہایا ہے کہ خدا قرآن اور پیغمبر (ص) نے جسکے خون کو حرمت بخشی تھی۔ (ام کلثوم ص ۳۶)

ایک مقام پر جناب ام کلثوم (علیہا السلام) نے وہ معرکۃ الآراء خطبہ دیا کہ لوگوں کی فریادیں بلند ہو گئیں راوی کہتا ہے کہ ہر طرف سے نالہ وشیون کی آوازیں بلند تھیں ہر ایک رو رہا تھا عورتوں نے اپنے بالوں کو بکھرایا ہوا تھا اور بالوں پر خاک ڈال رہی تھیں اپنے رخساروں پر طمانچہ مار رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کاش ہمیں موت آجاتی اور ہم یہ منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتے۔ آپکا خطبہ جب ختم ہوا تو زن و مرد میں کوئی ایسا نہ تھا جسکے گریہ کی آواز بلند نہ ہو۔ (علامہ مجلسی، بحار الانوار)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے نہ صرف کوفہ اور شام کے بازاروں میں بلکہ ابن زیاد کے دربار میں بھی وہ معرکۃ الآراء تقریر کی کہ پورا دربار دہل کر رہ گیا۔ (ام کلثوم ص ۲۷)

خاتون جنت کی بیٹی اور پردہ:

جب ام کلثوم نے یہ عالم دیکھا کہ لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہیں تو پورے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "یا اھل الکوفه! اما تستحیون من الله و رسوله ان تنظروا الی حرم النبی (ص)

اے کوفہ کے لوگوں تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اھلبیت نبی (ص) کو (بے پردہ) دیکھ رہے ہو؟
(مقتل الحسین مقرم ص ۴۰۰)

دردناک مرثیہ:

جب لٹا ہوا قافلہ مدینہ کی طرف آنے لگا اور دور سے مدینہ کے درودیوار دکھنے لگے تو آپ نے جو دردناک مرثیہ پڑھا ہے وہ آج بھی ہر محب اہلبیت کو بے چین کر دیتا ہے۔

آپ نے فرمایا:

مدینة جدنا لا تقبلینا	فبالحسرات والاحزان جئنا
الا فاخبر رسول الله عنا	بانًا قد فجعنا فی ابینا
خرجنا منک بالاھلین جمعا	رجعنا لا رجال و لا بنینا

اے ہمارے نانا کے مدینہ ہمارے آنے کو قبول نہ کرنا اسلئے کہ ہم حزن واندوہ کی سوغات لے کر تیرے پاس آئے ہیں، اے مدینہ ہماری جانب سے ہمارے نانا رسول اللہ کو یہ خبر دینا کہ ہم اپنے خاندان والوں کے غم میں نڈھال ہیں اے نانا کے مدینہ جب ہم تیری خاک سے رخصت ہوئے تھے تو ہمارے ساتھ ہمارے تمام اہل وعیال صحیح وسالم تھے لیکن آج جب پلٹ رہے ہیں نہ ہمارے مرد ہمارے ساتھ ہیں نہ ہمارے بچے۔۔۔

(معالی السبطین جلد ۲ ص ۲۰۷، اعلام النساء، ۲۰۲ واللھوف، ص، ۶۵)

بھائی بہن کی محبت:

جب امام حسینؑ میدان کارزار کی طرف نکلے تو آپ کا کوئی یاور ومددگار نہ بچا تھا امام زین العابدین علیہ السلام نے جب دیکھا کہ اب بابا تن تنہا جہاد کے لئے جانا چاہتے ہیں تو تمام تر ضعف و ناتوانی کے باجود چاہتے تھے کہ میدان جہاد میں جا کر بابا کی نصرت کریں بیمار امام کو جب ام کلثوم (علیہا السلام) نے یوں جنگ کے لئے بے تاب دیکھا تو فرمایا: بیٹا تم اس نقاہت کے عالم میں کہاں جا رہے ہو؟ امام سجاد علیہ السلام نے کہا پھوپھی جان: مجھے نہ روکیں مجھے جانے دیں کہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں جب سید الشھدائؑ نے یہ سنا تو جناب ام کلثومؑ سے فرمایا بہن بھتیجے کو میدان میں جانے سے روکو جناب ام کلثوم نے بیمار بھتیجے کو سہارا دیکر سنبھالا۔ (منتھی الآمال)

لیکن جب خود بھائی کو رخصت کرنے کا وقت آیا تو چاہنے والی بہن اپنے آنسوؤں کو نہ روک سکی۔امام حسینؑ جب رخصت آخر کے لئے اپنی چھوٹی بہن ام کلثوم کے پاس آئے تو بہن سے رہا نہ گیا آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے ہچکیاں بندھ گئیں تھیں امامؑ نے بہن کو جب دلاسہ دیا تو بہن نے حسرت بھری نظروں سے بھائی کو دیکھا اور فرمایا: بھیا! آپ کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟ ہمیں کون پوچھے گا ہم کس کے سہارے جیئیں گے امام علیہ السلام نے فرمایا: بہن صبر کرنا ایک دن دنیا کی ہر شئی کو فنا ہے ہر ایک کو خدا کی بارگاہ میں حاضری دینا ہے۔

(الخصائص الحسینیہ وام کلثوم ص ۲۸)

جاتے جاتے امام علیہ السلام نے بہن کے چہرے پر نظر ڈالی اور فرمایا: بہن! شاہد رہنا کہ میں اس قوم کی طرف جا رہا ہوں، میں جا رہا ہوں اور تمیں صبر اور نیکی کی تلقین کرتا ہوں۔

(نفس المھموم)

بھائی نے چلتے چلتے جو وصیت کی تھی بہن نے اسے بحسن وخوبی نبھایا اور ہر ہر مقام پر صبر کیا کوفہ اور شام کے بازاروں میں در بدر پھرائی گئی کبھی یزید کے دربار تو کبھی ابن زیاد کے دربار لیکن زبان نہ کھلی زبان کھلی بھی تو صرف بھائی کے مقصد کی ترجمانی کرنے کے لئے کھلی ام کلثومؑ نے دنیا والوں کو درس دیا کہ دین حق کی نصرت کس طرح مصائب وآلام میں گھر جانے کے بعد بھی کی جاتی ہے، اور کس طرح ایک بہن سب کچھ لٹ جانے کے بعد بھی سب کچھ کھو کر بھی اپنے بھائی کے مقصد کو اس طرح زندہ رکھتی ہے کہ جب بھی انسانی احساس جاگے گا حسینؑ کی قربانی یاد آئے گی۔

> حاسدوں کی بزم میں جا کر اپنے بابا کا یوں دفاع ،اور حسد کرنے والوں کے منھ کو انکی مذمت میں نازل ہونے والی آیت پڑھ کر بند کر دینا یہ کام وہی بیٹی کر سکتی ہے جو شجاعت حیدری کی وارث ہو۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو   ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

★★★★★

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت

(سیرت امام حسین علیہ السلام کے آئینہ میں)

عالیجناب مولانا سید عابد رضا نوشاد رضوی صاحب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے محرّک نے حسینی انقلاب کی قدر و قیمت کو دو چنداں کر دیا ہے۔ اس محرّک نے اس قیام کو شائستۂ بقا بنا دیا ہے اس لئے کہ اب اس قیام کا تکیہ نہ کسی دعوت پر ہے نہ مطالبۂ بیعت پر۔ اگر صرف مطالبۂ بیعت کو اصالت حاصل ہوتی تو اس صورت میں اگر مطالبۂ بیعت نہ ہوتا تو کوئی قیام بھی عمل میں نہ آتا۔ اہل کوفہ کی دعوت نے اگرچہ ایک حد تک کامیابی کا میدان ہموار کر رکھا تھا لیکن اگر صرف ایک یہی محرّک ہوتا تو تاریخ یوں فیصلہ سناتی کہ اگر اہل کوفہ کی دعوت درمیان میں نہ ہوتی تو حسینؑ کی تحریک بھی وجود میں نہ آتی۔

لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے محرّک کے پیش نظر حسینؑ بن علیؑ ایک ایسے معترض اور انقلابی تشخص کے مالک نظر آتے ہیں جسے اپنے انقلاب کے لئے کسی دوسرے محرّک کی احتیاج نہیں۔ حسین ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں: فساد و بدکاری نے زمانہ کو اپنے حیطۂ اختیار میں لے لیا ہے لہٰذا اب قیام ضروری ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت بیان کرنے والی احادیث سے چشم پوشی کرتے ہوئے اگر صرف قرآنی آیات پر ہی نظر مرکوز کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ نے اس سلسلہ میں کیسی کیسی

تاکیدیں فرمائی ہیں۔ قرآن مجید نے ایک مقام پر دیگر امتوں کی تمام تر بدبختیوں اور امت مسلمہ کے دیگر امتوں پر امتیاز کی اصل وجہ اسی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو بتایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِ جَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ"

لوگوں کے لئے ظاہر ہونے والی تم بہترین امت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ (آل عمران: ۱۱۰)

آیہ کریمہ کے مطابق اگر کوئی امت اس فریضہ پر عمل نہ کرے تو وہ اچھی امت کہلانے کی حقدار نہ ہوگی۔ اب وہ اپنے اسلام پر فخر ومباہات نہ کر سکے گی اس لئے کہ اس کا اسلام، حقیقی اسلام سے بہت دور ہے۔

قضا وقدر کے مسئلہ سے رابطہ کی بنا پر بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بعض مستشرقین اسلام پر انگشت اعتراض اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام قضا وقدر پر یقین رکھنے والا دین ہے جس میں انسانی ارادہ کا کوئی دخل نہیں۔ جبکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: "انّا ھدیناہ السبیل امّا شاکراً و امّا کفوراً"

ہم اللہ نے اسے راہ راست کی ہدایت کردی ہے اب چاہے وہ شاکر بندہ ہو جائے یا کافر بندہ (ناشکرا) ہو جائے۔ (الانسان: ۳)

اس آیت کے مطابق اسلام نے نہ صرف ہر انسان کو انفرادی طور پر اپنے اپنے کاموں کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے بلکہ ایک مقام پر انسان کو معاشرہ کے تئیں بھی مسئول و ذمہ دار جانا ہے۔ نہ صرف یہ کہ مستشرقین کے مفہوم قضا وقدر پر خط بطلان کھینچا ہے بلکہ صراحت کے ساتھ لوگوں کو ہی اپنا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "إِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ" (الرعد: ۱۱)

قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ آیہ مذکورہ میں اللہ نے "یغیّروا" استعمال کیا ہے "یغیّر" نہیں، مقصد یہ ہے کہ خود لوگوں کو اقدام کرنا ہوگا، اگر حالات اپنے آپ بدلتے رہیں یا دوسرے آکر ان کے حالات تبدیل کرنا چاہیں تو کچھ بنیادی فرق نہیں آنے والا۔ لہٰذا یہ گمان کہ کوئی دوسرا ہمارے امور اور سامان زندگی بہم پہنچائے یا خود خدا کوئی تبدیلی لادے، ایک غلط تصور ہے۔

اگر ایسا درست ہوتا تو امام حسینؑ کو بھی خاموشی اختیار کر کے بیٹھ جانا چاہئے تھا کہ اللہ خود ہی قوم کی اصلاح کرے۔ لیکن امامؑ نے اپنے بے نظیر عمل کے ذریعہ انسانیت کو یہ درس دیا کہ اٹھو اور خود اقدام کرو، مگر کیسے؟ آسان کام تو سب کو آتے ہیں مگر ہمیشہ اسلام کی مشکلات اتنی آسانیوں سے تو حل نہیں ہوتیں۔ وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ جب حسینؑ بن علیؑ کی طرح قیام کرنا ضروری ہو جائے۔ تمام اصحاب و انصار اور فرزندان و اقرباء کے ساتھ لہو کا آخری قطرہ بھی شجر اسلام کی آبیاری میں صرف کرنا پڑ جائے اور ان سب سے بڑھ کر ممکن ہے کہ اپنے اہل خانہ کو اسیری کی زنجیروں میں دیکھنا پڑے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی شرطیں

ارشاد پروردگار ہے: "التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ"

یہ لوگ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد پروردگار کرنے والے، راہ خدا میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکیوں کا حکم دینے والے، برائیوں سے روکنے والے اور حدود الٰہیہ کی حفاظت کرنے والے ہیں اور پیغمبر آپ انہیں جنت کی بشارت دے دیں۔"

(توبہ: ۱۱۲)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے محرّک نے قیام امام حسینؑ میں سب سے بڑا کردار ادا کیا ہے لہٰذا لازم و ضروری ہے کہ اس محرّک کی شناخت حاصل کی جائے۔ آخر یہ کیسا عظیم امر ہے جس کی بنیاد پر حسینؑ بن علیؑ جیسی شخصیت نے ایسے ایثار و فداکاری کا مظاہرہ کیا؟

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلہ میں مذکورہ آیت حد درجہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے مطابق صرف وہی لوگ اسے انجام دے سکتے ہیں جنہوں نے توبہ کرلی ہو، صرف خدا کی عبادت کرتے ہوں، اس کے آثار و علامات میں غور و فکر کرتے ہوں، رکوع و سجود میں ذکر خدا کرتے ہوں، الغرض صرف وہی مصلح ہوسکتا ہے جو خود صالح ہو۔ حضرت امیر المؤمنینؑ ارشاد فرماتے ہیں: "لَعَنَ اللهُ الآمِرِينَ بِالْمَعْرُوفِ التَّارِكِينَ لَهُ وَالنَّاهِينَ عَنِ الْمُنْكَرِ العَامِلِينَ بِهِ"

اللہ کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو دوسروں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہیں جبکہ خود اس پر عمل نہیں کرتے

اور دوسروں کو برائیوں سے روکتے ہیں جبکہ خود انہیں انجام دیتے ہیں۔"

(وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۴۲۰)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہی وہ واحد اصل ہے جو بقائے اسلام کی ضامن ہے، اگر یہ اصل نہ ہو تو پھر اسلام بھی نہ ہو، سید الشہداء امام حسینؑ نے اسی ضامن بقائے اسلام کے لئے اپنا نذرانہ جاں پیش کیا، ہمیں بھی عزاداری کے وقت یہ پورا خیال رہے کہ عاشورا کی بنیاد اسی اصل پر قائم ہے لہذا اسے فراموشی کے سپرد نہ کیا جائے اور یہ بھی ذہن سے نہ جائے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا دائرۂ شمول کافی وسیع ہے جس میں "معروف" سے مراد ہر نیک کام اور ہر پاک مقصد ہے اور "منکر" سے مراد ہر برا عمل ہے۔

پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کچھ بنیادی شرطیں بھی ہیں:

پہلی شرط فکری رشد اور بصیرت و آگہی ہے، کبھی کبھی معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھ لیا جاتا ہے، نہ جانے کتنے "منکر" اور کتنی برائیاں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر وجود میں آتی ہیں۔

اس شرط کے مطابق معروف و منکر کے علم کے علاوہ نفسیات، عمرانیات اور حالات و ضروریات زمانہ سے آشنائی بھی بہت ضروری ہے تاکہ انسان اچھائیوں کی طرف دعوت دینے کے طریقہ کو بہتر طور پر سمجھ سکے اور برائیوں کی جڑ تلاش کر سکے۔ اسی وجہ سے ائمہ معصومینؑ فرماتے تھے کہ بہتر یہی ہے کہ جاہل شخص امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرے، اس کا سبب یوں بیان فرمایا: "لانہ مایفسدہ اکثر ممایصلحہ" اس لئے کہ وہ کام بنانے سے کہیں زیادہ کام بگاڑے گا۔"

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس جہالت کی بناء پر اس شخص کی گردن سے یہ وجوب ساقط ہوجائے گا، نہیں! آخرت میں اس کا یہ عذر قابل قبول نہ ہوگا، جب وہ عذر پیش کرے گا تو کہا جائے گا: کیا خدا نے عقل کو پیدا نہیں کیا تھا تاکہ تو حالات زمانہ کو سمجھ سکے اور مستقبل کو دیکھ سکے؟! یعنی نہ صرف یہ کہ اس کی گردن سے امر بالمعروف کا وجوب ساقط نہ ہوگا بلکہ مزید برآں حالات زمانہ کی شناخت بھی اس پر واجب ہوگی تاکہ صحیح طور پر امر بالمعروف کر سکے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دوسری شرط "احتمال اثر" ہے۔ یعنی یہ فریضہ، نماز و روزہ کی

طرح صرف ایک تعبدی امر نہیں ہے۔ ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہر حال میں نماز پڑھیں، یہ نماز اثر رکھتی ہے یا نہیں اس بارے میں سوال کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر نماز وروزہ جیسے فرائض سے ذرا مختلف ہے اس لئے کہ اس فریضہ کو تدبیر کی بنیاد پر انجام دینا ہوتا ہے۔ اس میں انسان کی نظر اس کے نتیجہ پر ہونا چاہئے کہ حاصل ہونے والا فائدہ مصرف شدہ سرمایہ سے زیادہ ہے یا نہیں؟ یہ نظریہ خوارج کے نقطۂ نظر کے بالکل برخلاف ہے جو یہ کہتے تھے کہ اگر اثر پذیری کا تھوڑا بھی احتمال نہ ہو تب بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا فرض ہے۔

بعض کے مطابق یہی نظریہ خوارج کے نقطۂ نظر کے بالکل برخلاف ہے جو یہ کہتے تھے کہ اگر اثر پذیری کا تھوڑا بھی احتمال نہ ہو تب بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا فرض ہے۔ بعض کے مطابق یہی نظریہ خوارج کی نابودی کا سبب بنا۔ شیعوں کا عقیدۂ تقیہ بھی اسی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے شیوہ وطریقۂ کار سے متعلق ہے۔

> جس طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے محرک نے حسینی انقلاب کی اہمیت میں اضافہ کیا ہے اسی طرح حسینی انقلاب نے بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی قدرو قیمت کو دو چنداں کیا ہے۔

تقیہ کا مطلب ہے دفاعی اسلحہ کا استعمال، یعنی وقتِ مقابلہ دشمن پر ضرب ضرور لگاؤ مگر کوشش یہ رہے کہ تمہیں کوئی گزند نہ پہنچے۔

اب "احتمال اثر" کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ آپ اپنے گھر میں بیٹھ جائیں اور وہیں سے اندازہ لگائیں کہ میرے اس عمل کا اثر ہوگا یا نہیں۔ بلکہ ذرا باہر جائیے، تحقیق وجستجو کیجئے پھر اندازہ لگائیے کہ میرا عمل حاصل خیز ہوگا یا نہیں۔ جسے معاشرہ کی کوئی خبر نہ ہو اور نہ خبر لینے کی کوشش کرے، اس کا عذر کیوں کر قابل قبول ہوسکتا ہے؟

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تیسری شرط "قدرت وطاقت" ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

"انما یجب علی القویٔ المطلع" یہ عمل صرف صاحبِ قدرت اور آگاہ شخص پر واجب ہے"

یعنی بے بس وناتواں انسان کوامر بالمعروف ونہی عن المنکرنہیں کرنا چاہئے۔ یہ بھی گذشتہ شرط کی طرح ہی ہے، یعنی اپنی طاقت وتوانائی کو دیکھو پھر نتیجہ پر نظر ڈالو، اگر اندازہ ہو کہ خواہ مخواہ طاقت کا ضیاع ہوگا تو رہنے دو۔

یہیں سے بہت سوں کو غلط فہمی ہوجاتی ہے، کہنے لگتے ہیں میرے اندر فلاں کام انجام دینے کی طاقت نہیں ہے اور اسلام کا بھی حکم ہے کہ اگر طاقت نہیں تو انجام نہ دو لہٰذا میں کیوں انجام دوں؟! جواباً یہ عرض کرنا ہوگا کہ نہیں جناب! اسلام کا حکم یہ ہے کہ پہلے طاقت حاصل کیجئے، علمی اصطلاح میں یہ "شرط وجود" ہے "شرط وجوب" نہیں۔ یعنی اگر طاقت نہیں تو انجام نہ دیجئے لیکن انجام دینے کے لئے طاقت ضرور حاصل کیجئے۔

اس فریضہ کے لئے قدرت وتوانائی کا حصول تو اتنا اہم ہے کہ کبھی کبھی اس کی وجہ سے حرام کام واجب میں تبدیل ہوجاتا ہے، بعنوان مثال خلفائے جور سے منصب لینا، ظالم حکومت میں کسی عہدہ پر بیٹھنا ایک حرام کام ہے لیکن اگر یہ عہدہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی قدرت وتوانائی پیدا کرنے کا سبب بنے تو اس عہدہ کو اختیار کرنا واجب ہوجائے گا۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ کتنے ہی مؤمنین ائمہ معصومینؑ کے حکم سے دربار خلفا میں موجود رہے۔

ایک نظریہ یہ پایا جاتا ہے کہ اگر اتفاقی طور پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی توانائی حاصل ہوجائے تو یہ فریضہ واجب ہے ورنہ نہیں۔ اس کے جواب میں پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ اسلام نے اس فریضہ کو کتنی اہمیت دی ہے۔

گذشتہ سطور میں بیان ہوا کہ یہ فریضہ بقائے اسلام کا ضامن مانا گیا ہے، اسی فریضہ کی خاطر امام حسینؑ اپنے اصحاب وانصار کے ساتھ شہید اور آپؑ کے اہل بیتؑ اسیر ہوئے، آخری زمانہ کے لوگوں کی مذمت میں ایک روایت میں وارد ہوا ہے: **"لایوجبون امرأبالمعروف و نہیأعن المنکر الاّاذاأمنوا الضرر"**

وہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب نہ سمجھیں گے مگر صرف اس وقت جب وہ اپنے آپ کو ہرگز نہ سے محفوظ پائیں۔" (وسائل الشیعہ، ج۶ ص۳۵۹)

امام باقرؑ سے منقول ہے: "اِنَ الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر سبيل الانبياء، منهاج الصلحاء، بهاتقامُ الفرائض و تأمن المذاهب و تعمرُ الأرض وينتصف من الاعداء"

بلا تردید امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انبیاءؑ کا راستہ اور صالحین کا شیوہ ہے، اسی اصل کی بنیاد پر واجبات قائم، راہیں پر امن، زمینیں آباد اور اسی کے ذریعہ دشمنوں سے پامال شدہ حقوق واپس لئے جاتے ہیں۔"

جس فریضہ کی ایسی اہمیت ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ اگر اتفاق سے توانائی حاصل ہوگئی تو اس پر عمل کرو ورنہ نہیں، یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر اتفاقی طور پر دیکھو کہ اپنے اسلام کا تحفظ کر سکتے ہو تو کرو ورنہ کوئی بات نہیں!!

احتمال اثر" کے مفہوم کے بہتر ادراک کے لئے واقعۂ عاشورا کی ایک مثال پیش ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اہل بیتؑ نے امام حسینؑ کی شہادت کو اپنی ذمہ داریوں کا اختتام نہیں مانا بلکہ یزید و ابن زیاد کے درباروں میں بھی مقصد حسینیؑ کی راہ در پیش رکھی، ان کی نظر میں تو شہادت امام حسینؑ آغاز کار کی حیثیت رکھتی تھی، انجام کار کی نہیں۔ لہٰذا یہ بانگ دہل کہا جاسکتا ہے کہ کربلا کی زندگی اسرائے کربلا کی مرہون منت ہے، انہوں نے ہر لمحہ مقصد حسینی کی تبلیغ میں صرف کیا اور ہر آن امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہے۔

وہ انقلاب برپا کیا کہ شام کی علیؑ دشمن آبادی یزید کے خلاف قیام پر آمادہ ہوگئی، طول راہ شدید ترین روحانی و جسمانی اذیتوں کا سامنا کرنے کے باوجود دربار یزید و ابن زیاد کا نقشہ بدل ڈالا، یزید نے اسیروں کے لئے نرم رویہ ان کی ہمدردی میں اختیار نہیں کیا تھا بلکہ وہ مجبور تھا، زینبؑ و سجادؑ کے شرربار خطبوں نے وہ انقلاب برپا کیا کہ وحی و رسالت کا کھلے عام انکار کرنے والے یزید کو بھی حالات کے خوف سے اپنا رویہ تبدیل کرنا پڑا۔

انبیاءؑ، ائمہ اور اولیائے الٰہی پہلے خود عمل کرتے ہیں پھر دوسروں کو دعوت عمل دیتے ہیں لہٰذا نتیجہ بھی کئی گنا حاصل ہوتا ہے، اسی لئے روایت میں ہے: "كونوا دعاة الناس بغير السنتكم"

؛" لوگوں کو زبان سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے دعوت دو۔"

قیام امام حسینؑ پر بھی نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ آپ کے خطبات کی تعداد کم اور عمل کی مقدار بہت زیادہ ہے، امامؑ نے جب مکہ سے کوچ فرمانا چاہا تو پہلے اپنے عزیزوں کو ہمراہ لیا پھر آواز دی" جو بھی ہمارے ساتھ ہونا چاہتا ہے ہولے" لیکن امامؑ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ کوئی کمزور پہلو کا حامل شخص ساتھ ہو لہٰذا راستہ میں کئی بار اپنے ہمراہیوں کا تصفیہ اور چھانٹ پھٹک کی، اسی عملی دعوت کا نتیجہ تھا کہ فوج اعداء میں پوری طرح امن وسکون کا سانس لیتے ہوئے بھی حر جیسے کئی افراد امامؑ سے آملے۔

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اصحاب امامؑ میں سے کسی ایک کے ذہن میں فوج یزید سے جا ملنے کا خیال تک نہ آیا، یہ ایک انتہائی اہم اور قابل توجہ بات ہے، اس لئے کہ اگر اصحاب حسینؑ میں سے کوئی ایک بھی اُدھر کا رخ کر لیتا تو یہ حسینی انقلاب کے لئے بڑا عیب شمار کیا جاتا۔

جس طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے محرک نے حسینی انقلاب کی اہمیت میں اضافہ کیا ہے اسی طرح حسینی انقلاب نے بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی قدر و قیمت کو دو چنداں کیا ہے، امام حسینؑ نے اس فریضہ کی راہ میں نہ صرف اپنا نذرانہ جاں پیش کیا بلکہ اپنے عزیزوں کی بھی قربانی دی اور اپنے اہل بیتؑ کو اسیری کی رسّی میں بندھوانا گوارا کیا، امامؑ کے اس مثالی عمل کے بعد اب کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اہم مسائل میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر تمام خطرات کے باجود واجب ہے، اس راہ میں نذرانہ جاں بھی پیش کرنا ہو تو کیا جائے گا۔

فوق الذکر بیانات کا مقصد یہ نہیں ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہوئے ممکنہ مفاسد و مصالح کا خیال نہ رکھا جائے، ظاہر ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہوئے ایجاد فتنہ وشر سے پوری طرح گریز کرنا چاہئے، ممکن ہے کوئی کسی اہم مسئلہ کی خاطر تمام خطرات مول لیتے ہوئے اس فریضہ پر عمل کرے، یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن اگر اس کے اس عمل سے کوئی دوسرا فتنہ وفساد پھوٹ پڑے جس کا نقصان اسلام کے لئے موجودہ برائی سے زیادہ ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے مقام پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے پرہیز ضروری ہوگا۔ (استفادہ از بیانات شہید مطہری)

★★★★★

حضرت زینب کبریٰؑ کے خطبہ کے سبق آموز پیغامات

آقای عبدالکریم تبریزی
عالیجناب مولانا ابرار جعفری صاحب

مقدمہ

حضرت زینب کبریٰ (س) کی ذات گرامی کائنات میں مردوں اور عورتوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔اس شیر دل ذات کی رفتار و گفتار سے تاریخ اس حد تک متأثر ہے کہ چودہ سو سال گذر جانے کے باوجود بھی حقیقت کے متلاشی افراد ان کی ذات گرامی سے شرافت مندانہ زندگی کا درس لیتے ہیں۔

اہل بیتؑ کی پیروی کرنے والوں کے لئے جناب زینب کبریٰ (س) کے شام میں دیئے جانے والے خطبہ میں بہت سے عبرت آموز پیغامات پائے جاتے ہیں،جن میں سے کچھ کو اس مقالہ میں جگہ دی گئی ہے مگر اس سے پہلے مقدمۃً چند نکات کی جانب آپ کی توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں:

الف: یزید کے دربار میں جناب زینب کا خطبہ

شہادت امام حسینؑ کے بعد حضرت زینب کبریٰ نے بھائی کا سوگ منانے کے لئے عزاداری کی بنیاد رکھی،آپ ہی فرہنگ عاشورا کو زندہ کرنے والی،سب سے پہلی مجلس برپا کرنے والی ہیں جنھوں نے عزاداری کے ذریعہ کربلا و شام و کوفہ میں اس اہم کام کو انجام دے کر قیام عاشورا کو دلسوز نالہ و شیون سے زندہ رکھا۔

زحمتوں اور مشقتوں سے بھرپور ایک طویل سفر کے بعد جس وقت اہل حرم کو اسیر کر کے دربار

یزید میں لایا گیا اور آپ کی نگاہ سونے کے طشت میں رکھے ہوئے اپنے بھائی کے کٹے سر پر پڑی، گریبان چاک کیا اور اپنے دل دہلانے والے نالوں سے فریاد کی: ''یا حسیناہ یا حبیب رسول اللہ! یا ابن مکۃ ومنیٰ! یا بن فاطمۃ الزہراء سیدۃ النساء! یا ابن بنت المصطفیٰ!''

جناب زینب کبریٰ کے ان نالوں نے یہ اثر دکھایا کہ دربار یزید میں بیٹھے تمام درباری گریہ کرنے لگے، اس طرح آپ نے یزید کی عیش ونوش کی محفل کو حسینؑ کے عزاخانہ میں بدل دیا، لہٰذا یزید نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی۔

اور پھر اپنی بے عزتی کی تلافی کے طور پر چھڑی کو بار بار حسینؑ کے دندانہای مبارک پر مارتا اور وہ اشعار جو اس نے جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کی خوشی میں کہے تھے، گنگناتا:

''ای کاش! جنگ احد میں مارے گئے میرے بزرگ ہوتے، قبیلہ خزرج کا ہماری ضرب کے مقابل تسلیم ہو جانے کو دیکھتے تو فرط مسرت سے چیخ اٹھتے اور کہتے: مرحبا اے یزید! تو نے جنگ بدر میں مارے گئے اپنے بزرگوں کا حساب چکتا کر دیا۔ آسمان سے نہ کوئی وحی نازل ہوئی اور نہ کوئی خبر آئی، یہ تو بنی ہاشم کا ایک ڈھونگ تھا، میں عتبہ کی اولاد نہیں اگر احمد کے کئے کا اس کی اولاد سے بدلہ نہ لے لوں۔

ابو برزہ اسلمی اس منظر کو دیکھ برداشت نہ کر سکے اور فریاد بلند کی: ''اے یزید! وای ہو تجھ پر، تو فرزند فاطمہ کے دندانہای مبارک پر چھڑی مارتا ہے؟ میں نے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے حسین وحسنؑ کے دندانہای مبارک کو بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے، اور ان سے فرمایا کرتے تھے: ''تم دونوں جوانان جنت کے سردار ہو، تمہارے قاتلوں پر خدا کی لعنت ہو، انھیں جہنم میں ڈال دے، جہنم کتنی بری جگہ ہے۔''

ب۔ فرش عزا کی اہمیت

کیونکہ فرہنگ اہل بیتؑ میں فرش عزا بچھانا بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور زینب کبریٰ نے بھی اپنے تاریخی خطاب سے پہلے سید الشہداء کے مصائب بیان کئے تھے لہٰذا ہم بھی لطف پروردگار اور حسین بن علیؑ سے توسل کرتے ہوئے بہت سی روایات سے صرف نظر کر کے قارئین کی خدمت میں فقط دو روایات پر اکتفا کر رہے ہیں:

(۱) جس وقت پیغمبر ختمی مرتبت ﷺ نے حضرت فاطمہ زہرا (س) کو حسین ابن علیؑ کی شہادت اور مصیبتوں سے آگاہ کیا تو آپ بہت روئیں اور فرمایا: ''بابا جان! ایسا کب ہوگا؟ رسول ﷺ نے فرمایا: اس وقت ہوگا جب نہ میں ہوں گا نہ تم ہوگی اور نہ علی ہونگے۔ حضرت زہرا (س) اور شدت سے رونے لگیں اور فرمایا: بابا جان! پس کون ہوگا جو میرے حسین پر گریہ کرے گا، کون میرے فرزند کی فرش عزا بچھائے گا؟

رسول (ص) نے فرمایا: اے فاطمہ! میری امت کی عورتیں میرے اہل بیت کا ماتم کریں گی، ان کے مرد، مردوں پر گریہ کریں گے، ہر سال ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ اس عزا کو قائم رکھے گا۔ اور جب قیامت برپا ہوگی تو تم میری امت کی عورتوں کی اور میں ان کے مردوں کی شفاعت کروں گا۔ جو بھی حسین پر روئے گا، ہم اس کا ہاتھ پکڑ کر بہشت میں داخل کردیں گے اور پھر فرمایا: ''اے فاطمہ! روز قیامت ہر آنکھ رو رہی ہوگی سوائے ان آنکھوں کے جنھوں نے حسینؑ کی مصیبت پر گریہ کیا ہوگا، اس دن وہ آنکھیں شاد ہوں گی اور انھیں بہشت کی نعمتوں کی بشارت دی جائے گی۔''

(۲) سید الشہداء کے مصائب پر گریہ کے بارے میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جس شخص کی آنکھوں میں حسین کی مصیبت سن کر آنسو آجائے، چاہے وہ مکھی کے پر کے برابر ہی کیوں نہ ہو، پروردگار عالم اس کے گناہوں کو بخش دے گا اگرچہ وہ دریاؤں کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔''

ج۔ گھٹے ہوئے ماحول میں زینب کبریٰ کی برتری

حضرت زینب کبریٰ نے علمی اور تاریخی خطبہ کے ضمن میں اپنے کچھ کمالات پیش کئے۔ شجاعت، دلیری، فصاحت و بلاغت، علم تفسیر، فن خطابت، نفسیات، تربیت، سیاست وغیرہ جیسے بعض انھیں کمالات کا نمونہ ہیں۔

زینب کبریٰ نے اپنی ہنرمندی سے اس خطبہ کے ذریعہ ایک مسلمان عورت کو معاشرہ میں پہچنوایا۔ حق کو زندہ رکھنے کی کوشش، معاشرہ کی اصلاح، ظلم و ستم کے خلاف لوگوں کو ابھارنا، اسیری میں تبلیغ دین، استقامت، قوی ارادہ جیسے برجستہ صفات و کمالات کے نمونے اس خطبہ میں نظر آتے ہیں۔

فاتح کربلا قیدی ہونے کے باوجود ایک ایسے مجمع سے ہمکلام تھیں جوان کو حقارت اور نا اہلی کی نظر سے دیکھ رہے تھے، یزید کی قدرت کی وجہ سے دربار کی فضا پر مکمل طور سے رعب و دہشت چھائی ہوئی تھی، یہ فاتح نہ صرف یہ کہ یزید کی طاقت وحکومت کو خاطر میں نہ لائیں بلکہ اپنے خطبہ سے اس طرح اس کی عزت کو خاک میں ملا دیا جیسے ایک عظیم شخصیت کسی چھوٹے بچے سے محو گفتگو ہو۔

حضرت زینب کبریٰ کے خطبے کے چند پیغام

جس وقت یزید نے اپنے کفر آمیز اشعار سے اپنی باطل اور گھٹیا سوچ کا اظہار کیا، سب سمجھ گئے کہ یزید کے ساتھ حسین بن علیؑ کی جنگ حق و باطل کی جنگ تھی، تب وہ عظیم خاتون اپنی پوری شہامت کے ساتھ اٹھی اور یزید کے دربار میں مشہور ومعروف خطبہ دیا۔ ہم یہاں پر اس خطبہ کے کچھ اقتباسات و پیغامات پیش کر رہے ہیں۔

> حضرت زینب کبریٰ نے ''سنت الٰہی'' کی اس حقیقت کو یزید کے سامنے پیش کیا، اور اس کی خیالی فتح کا مذاق اڑاتے ہوئے دنیا کے تمام ستمگروں کو یہ سمجھا دیا کہ لشکر حق پر باطل کا حیوانی غلبہ دائمی نہیں ہے۔

۱۔ ہر حال میں شکر خدا

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اپنے آپ کو مال و اولاد سے متعلق ہر بلا و مصیبت کے مقابلہ میں صابر و شکیبا بناؤ کیونکہ خداوند متعال اپنی امانت اور بخشش کو واپس لے لیتا ہے تا کہ تمھیں آزمائے کہ تم صبر کرنے والے ہو یا شکر کرنے والے۔

علی کی شیر دل بیٹی مصائب و آلام کی معراج پر ہونے کے باوجود ہر لحاظ سے صابر و شاکر تھیں، حمد خدا بجالانے کے بعد اس طرح سے اپنی گفتگو کا آغاز فرماتی ہیں: تمام تعریفیں صرف اس پروردگار کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے، اللہ کا درود و سلام ہو پیغمبر (ص) اور ان کے اہل بیتؑ پر۔

۲۔ کلام وحی پر خاص توجہ

قرآن مجید کی آیت سے استدلال ہر سخنور کی ضرورت ہے کیونکہ معاشرہ میں کلام وحی ایک متقن

منبع ہے جس کا تعلق انسانوں کی فطرت سے ہے، کمال طلب اور حقیقت کے متلاشی افراد اس کا استقبال کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: قرآن کو اپنا ہادی و پیشوا قرار دو کیونکہ یہ عالمین کے رب کا کلام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ زینب کبریٰ (س) نے اپنے اس تاریخی خطاب میں بارہا کلام الٰہی سے استدلال کر کے اپنی گفتگو کو دوام بخشا۔

آپ قرآن کی آیت سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرماتی ہیں: ''یقیناً خداوند عالم نے سچ فرمایا ہے کہ: پھر جنھوں نے برا کیا ان کا انجام بھی برا ہوا کیونکہ انھوں نے اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کی تھی اور وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے۔''

۳۔ ستمگروں کی کامیابی وقتی ہے

بیشک ظلم وستم کرنے والے نابود ہو جانے والے ہیں اور انھیں اسی دنیا میں خداوند متعال کی کبھی نہ تبدیل ہونے والی سنت کے مطابق بہت جلد اپنے کئے کی سزا ملے گی۔

رسول خدا فرماتے ہیں:

''تین طرح کے گناہگاروں کو فوراً سزا مل جاتی ہے اس کا عذاب آخرت پر نہیں چھوڑا جاتا: ماں باپ کو ناراض کرنا، لوگوں پر ظلم وستم اور دوسروں کے احسان کے مقابلہ میں ناشکری۔''

حضرت علی علیہ السلام کا بھی ارشاد گرامی ہے: ''خدارا خدارا! ظلم وستم کے نتیجہ میں ملنے والے عذاب سے بچو! اور آئندہ کے دردناک ظلم سے بچو، اس لئے کہ: مظلوم کی آہ سے ظالم امان نہیں پا سکتا۔

حضرت زینب کبریٰ نے ''سنت الٰہی'' کی اس حقیقت کو یزید کے سامنے پیش کیا، اور اس کی خیالی فتح کا مذاق اڑاتے ہوئے دنیا کے تمام ستمگروں کو یہ سمجھا دیا کہ لشکر حق پر باطل کا حیوانی غلبہ دائمی نہیں ہے بلکہ بہت جلد ختم ہو جانے والا ہے مگر ان کے ظلم وستم کی گھناؤنی داستانیں ہمیشہ کے لئے اس صفحۂ ہستی پر باقی رہ جائیں گی۔

''اے یزید! تو ہمیں اسیر کر کے یہ گمان کرتا ہے کہ تو نے ہمیں دیار بہ دیار پھرا کر، زمین و

آسمان کے راستوں کو ہم پر بند کر دیا۔''

۴۔اہل باطل کی خام خیالی کا زوال

خداوند متعال قرآن مجید میں اہل باطل کی وقتی کامیابی کو، پانی میں بننے والے جھاگ سے تشبیہ دیتا ہے اور اہل حق کی رواں اور صاف وشفاف پانی سے۔

قرآن نے اس مثال میں، حق و باطل کی بہترین انداز سے منظر کشی کی ہے اور بہت سے حقائق کو بیان کیا ہے تا کہ لوگوں کے لئے اس کی شناخت آسان ہو جائے۔اسی مثال سے ہم یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ باطل ہمیشہ متکبر، بالانشین اور شور وغل کرنے والا، مگر اندر سے خالی؛ لیکن حق ،متواضع ،کم آواز اور اہل عمل ہوتا ہے۔

حق ہمیشہ صاف پانی کی طرح مفید ہوتا ہے، حیات وزندگی کا باعث ہوتا ہے؛ لیکن باطل بے فائدہ اور بیہودہ ہوتا ہے؛ نہ پانی کے جھاگ کسی کو سیراب کرتے ہیں اور نہ کسی درخت کو اگانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، نہ ہی مختلف مادوں کو پگھلانے سے وجود میں آنے والے جھاگوں سے زیورات یا وسائل زندگی بنانے کے کام میں لایا جا سکتا ہے، اگر اس کا مصرف ہے بھی تو بہت کم اور وہ بھی بے ارزش چیزوں میں جن کا کہیں شمار نہیں ہوتا، جس طرح سے خس وخاشاک کو صرف جلانے کے کام ہی لایا جاتا ہے۔

حق ہمیشہ اپنے نفس پر متکی ہوتا ہے جبکہ باطل، حق کا سہارا لیتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح جھوٹ، سچائی سے وجود میں آتا ہے اور حق کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آتا ہے۔اس کائنات میں سچائی نہ ہوتی تو کوئی جھوٹ پر اعتبار نہ کرتا، اگر دنیا میں خالص چیز ہوتی تو کوئی جعلی چیزوں سے دھوکہ نہ کھاتا۔ لہٰذا باطل کی جو معمولی عزت اور حیثیت ہے وہ حق کی وجہ سے ہے، لیکن حق کا انحصار ہمیشہ اپنے آپ پر ہوتا ہے۔

حق و باطل کے درمیان فرق کی تشریح کے بعد، حضرت زینب کبریٰ (س) کے خطبہ سے مکمل طور پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ یزید کی چند لمحوں کی کامیابی کو پانی کے جھاگ کی مانند سمجھ رہی تھیں کہ جو جلد ہی ختم ہو جائے گی، لیکن قیام عاشورا اور حضرت سید الشہداء کا عظیم مقصد صاف پانی کی مانند روز بہ روز شفاف تر ہوتا جائے گا اور حقیقت ومعرفت کے پیاسوں کو سیراب کرتا رہے گا۔یہی وجہ

ہے کہ علی کی شیر دل بیٹی، یزید کی ظاہری فتح کا مذاق اڑاتی ہیں اور اپنے جھنجھوڑ دینے والے خطبہ سے ہتھوڑے کی مانند یزید کے باطل افکار کو کچل دیتی ہیں، اس کی تحقیر کرتی ہیں اور اس کے سامنے اس کی دنیا میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔

آپ اس کے باطل افکار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

''اے یزید! آیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ ہم خدا کے نزدیک خوار و ذلیل ہیں اور تو اس کے نزدیک محترم؟ کیا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم پر کامیابی حاصل کر کے خدا کے نزدیک تیری منزلت میں اضافہ ہوا ہے؟ شاید! تو اسی تکبر میں مبتلا ہے، جس کے سبب تو خوشیاں منا رہا ہے۔''

۵۔ ستمگروں کے لئے اللہ کی مہلت

خداوند عالم کی تبدیل نہ ہونے والی سنت، تمام اہل باطل کے لئے ایک تنبیہ ہے کہ ضرور بالضرور اپنے کئے ہوئے کاموں کے انجام سے ڈریں۔ پروردگار کا اہل باطل کو مہلت دینا ان کے فائدے میں نہیں بلکہ ان کی آزمائش اور گناہوں کے پلڑے کی سنگینی اور عذاب میں اضافہ کی وجہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

''اور جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں ہم انھیں بتدریج اس طرح گرفت میں لیں گے کہ انھیں خبر تک نہ ہوگی، اور میں انھیں ڈھیل دوں گا، میری تدبیر یقیناً نہایت مضبوط ہے۔''

عقیلہ بنی ہاشمؑ بھی سورۂ آل عمران کی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

''اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہم انھیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لئے بہتر ہے، ہم تو انھیں صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ تا کہ یہ لوگ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کر لیں اور آخر کار ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔''

زینب کبریٰ نے یزید کے دربار میں موجود تاریخ کے تمام ستمگاروں کو متنبہ کر دیا کہ ان کی وقتی کامیابی اور آزاد عملی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ یقیناً یہ لوگ صالح اور متقی افراد ہیں اور پروردگار ان سے راضی ہے، بلکہ اس کے برعکس خداوند متعال نے ان کو جو مہلت دی ہے در حقیقت اس نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے کیونکہ یہ ہدایت کی لائق نہیں ہیں۔ یہ لوگ اس فرصت سے غلط استفادہ

کر کے اپنی سرکشی اور طغیان کے سبب اپنا بوجھ سنگین اور عذاب زیادہ کر رہے ہیں۔

حضرت زینب اپنے زمانے کے مغرور حکمراں سے کہتی ہیں: ”تو جو یہ محفل سجا کر خوشیاں منا رہا ہے، ہم پر دنیا تنگ کر کے مٹھی بھر بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا کر دیار بہ دیار گھماتا پھر رہا ہے، کیا تو یہ گمان کر رہا ہے کہ خدا کے نزدیک تیری حکومت کی اہمیت و وقعت میں اضافہ ہو جائے گا؟ یہ تیری بھول ہے، یہ عمل کی آزادی کی فرصت، تیرے گناہوں کے بار کو اور سنگین اور درد ناک عذاب کو تجھ سے مزید نزدیک کر دے گی۔

اے یزید! تو جو چاہے کر لے، خدا کی قسم! تو ہرگز ہمارے نور کو خاموش نہیں کر سکتا، اور یہ ہدایت کا چراغ اسی طرح قیامت تک نور افشانی کرتا رہے گا۔

حضرت زینب یزید کو غصہ سے للکارتے ہوئے کہتی ہیں:

ترجمہ: اے یزید! آہستہ، ٹھہر، کیا تو خدا کے اس قول کو بھول گیا ہے: اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہم انھیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لئے بہتر ہے، ہم تو انھیں صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ تا کہ یہ لوگ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کر لیں اور آخر کار ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔

> رسول اکرمؐ نے فرمایا: تین طرح کے گناہگاروں کو فوراً سزا مل جاتی ہے اس کا عذاب آخرت پر نہیں چھوڑا جاتا: ماں باپ کو ناراض کرنا، لوگوں پر ظلم و ستم اور دوسروں کے احسان کے مقابلہ میں ناشکری کرنا۔

۲۔ عدالت الٰہی اور عدالت یزیدی کا فرق

افکار عمومی کو دھوکہ دینے کے لئے مذہبی وسائل و امکانات سے استفادہ، اہل باطل کا دیرینہ حربہ ہے، وہ اپنی حکومت کو تھوپنے کے لئے اور اسے مستحکم بنانے کے لئے پاکیزہ الفاظ سے استفادہ کرتے ہیں، یہی رسم آج کل بھی پائی جاتی ہے، پاکیزہ کلمات جیسے عدالت، آزادی، حقوق بشر، اصلاحات وغیرہ یہ سب وہی آدم فریب الفاظ ہیں جن سے دنیا کے مستکبر استفادہ کر رہے ہیں۔

آپ بھرپور ذہانت کے ساتھ یزید کے حربوں پر حملہ آور ہوکر اس کو لوگوں کے سامنے لا کھڑا کرتی ہیں: ''تو جو عدالت کے مظہر پیغمبر (ص) کی مسند پر بیٹھا ہوا ہے کیا تو بھی اسی طرح عدالت سے کام لیتا ہے؟!

آپ پھر یزیدی عدالت کا مفہوم ذکر کرتے ہوئے اس کو آئندہ کے لئے بہترین شکل میں ڈھالتی ہیں اور پھر جذاب آواز کے ساتھ اعلان کرتی ہیں کہ آیا اہل باطل کی لغت میں عدالت کے یہی معنی ہیں کہ یہ آزاد شدگان کی اولاد اپنی کنیزوں اور عورتوں کو پس پردہ بٹھائے اور رسول کی بیٹیوں کی حرمت پامال کرے اور انھیں جنگی اسیروں کی طرح کوچہ و بازار میں پھرائے؟! ہاں یہ زینب کی ہندہ جگر خوارہ کے بیٹے سے بے جا توقع ہے۔

جناب زینب اہل بیت پیغمبرؑ کی اہانت، گناہگاروں کی جسارت اور ان کی جلد پشیمانی کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ بلند کر کے نفرین کرتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ یہ تمام جنایات آخر کار انھیں کی طرف پلٹیں گے اور یقین رکھو کہ خداوند متعال، ظالموں سے مظلوموں کا انتقام ضرور لے گا۔

۷۔ اہل بیت اطہار سے یزید کے بغض کی وجہ

عقیلہ بنی ہاشم اپنے اسی خطبہ میں اس بات کا بھی ذکر کرتی ہیں کہ ستمگر ماں باپ کی اولاد سے رحم اور رحمدلی کی امید ایک خام خیالی ہے۔ آپ اس کے شجرہ خبیثہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کے ستمگر اجداد پر روشنی ڈالتی ہیں کہ یزید کے ظلم وستم اور شرمناک اعمال اس کے ظالم و ستمگر آباء واجداد کی مرہون منت ہیں۔ آپ خطبہ جاری رکھتے ہوئے فرماتی ہیں: ''درحقیقت اس کی اولاد سے کیسے رحمدلی کی توقع رکھی جاسکتی ہے جس نے پاکیزہ لوگوں کا جگر چبا کر پھینک دیا ہو جس کا گوشت و پوست شہیدوں کے خون سے اگا ہو۔''

''جو ہم اہل بیت کو بغض وعداوت کی نظروں سے دیکھتا ہو، اس سے اس کے علاوہ اور کس چیز کی امید کی جاسکتی ہے؟۔''

''اے یزید! تو بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا اور اس کی سنگینی کو سمجھتا، کہتا ہے: کاش میرے اجداد ہوتے تو خوشی سے جھوم اٹھتے اور کہتے: شاباش اے یزید! تو اپنے کئے پر پشیمان

ہونے کے بجائے ان لبوں پر چھڑی مار رہا ہے، محبوب خدا، رسول اللہؐ جن کے بوسے لیا کرتے تھے۔''

''ہاں تو کیوں ایسا نہ کہے؟!، چونکہ تیری رگوں میں بھی تو تیرے اسلاف کا خون ہے، تو نے ہمارے زخموں سے کھال کھرچ دی ہے، اور اب خاندان عبدالمطلب سے فرزندان محمدؐ کا خون بہا کر اپنے اجداد کو پکارتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ تیری آواز ان کے کانوں تک پہونچ رہی ہے۔''

تو بھی بہت جلد جہاں پر وہ ہیں وہیں چلا جائے گا تب تو یہ آرزو کرے گا کہ اے کاش! میرے ہاتھ شل ہو جاتے اور زبان گونگی، اور جو کچھ تو نے کہا ہے کاش نہ کہا ہوتا اور جو کیا ہے وہ نہ کرتا۔

۸۔ دعا مظلوموں کا تیز دھار ہتھیار

وہ دعا جس کے قبول ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے، مظلوم کی دعا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''تین قسم کی دعائیں بغیر کسی شک وتردید کے قبول ہوتی ہیں: ان میں سے ایک مظلوم کی دعا ہے اور۔۔۔''

یہاں پر خاندان رسالت کی شیر دل بیٹی بھی مظلومیت کی معراج پر پہونچ کر دعا کے اسلحہ کے ذریعہ بارگاہ حق میں فریاد کرتی ہیں اور فرماتی ہیں: ''خدایا! ہمارے حق کو واپس لے لے اور جنھوں نے ہم پر ظلم کیا ان سے انتقام لے اور جن لوگوں نے ہمارا اور ہمارے چاہنے والوں کا خون بہایا ہے ان پر اپنا غضب نازل فرما۔''

۹۔ شہادت کا دفاع

قرآن و اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ، ایک انسان کے لئے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ درجہ شہادت پر فائز ہو جائے، اس سلسلہ میں رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: ''سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان راہ خدا میں شہادت کے درجہ پر فائز ہو جائے، جب راہ خدا میں درجہ شہادت پر فائز ہو گیا تو اب اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی ہو ہی نہیں سکتی۔''

حضرت علی علیہ السلام بھی اس مقام تک پہونچنے کی آرزو رکھتے تھے اور فرماتے تھے: ''بیشک راہ خدا میں شہید ہو جانا عظیم ترین موت ہے۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھوں میں ابوطالب کے بیٹے کی جان ہے، میرے لئے ہزار مرتبہ شمشیر کی ضربت کھانا غیر خدا کی اطاعت میں بستر پر مر جانے سے

زیادہ آسان ہے۔''

دشت نینوا کے شہیدوں کے خون کی پیغامبر نے، اپنے خطبے میں وحی کے نقطۂ نظر سے شہداء کی منزلت کو بیان کیا اور اپنے الفاظ میں آیہ شہادت کی تفسیر بیان کر کے عدالت عدل الٰہی میں شہیدوں کی حقیقی کامیابی کا اعلان اس طرح فرمایا: ''اے یزید! تو رسول کے فرزندوں کا خون بہا کر اور ان کی اولاد کی بے حرمتی کے اس سنگین بار کے ساتھ رسول خدا سے ملاقات کرے گا ۔جب پروردگار سب کو ایک ساتھ اکٹھا کرے گا اور ان کے حق کو واپس لے گا، قرآن فرماتا ہے: راہ خدا میں جان دیدینے والوں کو ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ کے یہاں سے رزق پا رہے ہیں۔''

''اے یزید! تیری بیچارگی کے لئے تو یہی کافی ہے کہ روز قیامت فیصلہ کرنے والا خدا اور انتقام لینے والی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہوگی اور جبرئیل ان کا پشت پناہ ہوگا۔''

۱۰۔اپنے نفس پر اعتماد، حقیقی ایمان کا ثمرہ ہے

زہرائے اطہر کی دختر نیک اختر ایمان سے سرشار، خدا پر توکل، نفس پر اعتماد اور اس آیت پر مکمل اعتقاد سے سرشار کہ جس میں ارشاد ہوتا ہے: ''میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا تمہارا رب ہے، کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی اللہ کی گرفت میں نہ ہو، بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔''

زینب کبریٰ خطبہ کے آخری جملوں میں حیرت انگیز ایام کی جانب اشارہ فرماتی ہیں، بہترین مثالوں کے ذریعہ طاغوت صفت رکھنے والوں کے افکار کی وضاحت کرتی ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کر کے عاشور کے دن انقلاب برپا کرنے والوں کے پیغام پر بحث کرتی ہیں نیز ظالموں اور ستمگروں کی بے بسی اور بیکسی کی طرف اشارہ فرماتی ہیں۔

آپ، بہت سے اسلامی ممالک پر حکمراں طاغوت کے مقابل اس شہامت کے ساتھ گفتگو کرتی ہیں کہ اس کی قدرت کے تمام ارکان لرز اٹھتے ہیں، اور پھر فرماتی ہیں:

اے یزید! اگر چہ ظاہری طور پر ناگوار نتائج نے مجھے تیرے سامنے لا کھڑا کیا ہے اور گفتگو پر مجبور کیا ہے، میرے دل میں ذرہ برابر بھی تیری اہمیت نہیں ہے، تجھے حقیر جان کر کوسوں پیٹوں مگر کیا

کروں کہ آنکھیں بھری ہوئی ہیں اور سینوں میں آگ بھڑکی ہوئی ہے۔

۱۱۔جناب زینب کبریٰؑ کی پیشینگوئی

آپ اپنے خطبہ کو جاری رکھتے ہوئے یزیدیوں کو ان کے دردناک انجام سے باخبر کرتی ہیں، انقلاب عاشور کے روشن مستقبل اور دائمی بقا کی نوید دیتی ہیں: ''اے یزید! تو جو حربہ اپنا سکتا ہے اپنالے، جو اقدام کرسکتا ہے کر، جو کوشش کرسکتا ہے کر، کوئی کسر باقی نہ رکھ، خدا کی قسم! تو ہرگز ہرگز، ہمارے نام کو نہیں مٹا سکتا اور نہ ہی تو ہمارے وحی کے نور کو خاموش کرسکتا ہے۔ تو ہماری عظمت کو نہیں درک کرسکتا اور نہ ہی اس ظلم کے ننگ وعار کو اپنے سے دور کرسکتا ہے۔''

> اے یزید! تو جو حربہ اپنا سکتا ہے اپنالے، جو اقدام کرسکتا ہے کر، جو کوشش کرسکتا ہے کر، کوئی کسر باقی نہ رکھ، خدا کی قسم! تو ہرگز ہرگز، ہمارے نام کو نہیں مٹا سکتا اور نہ ہی تو ہمارے وحی کے نور کو خاموش کرسکتا ہے۔

''تیری چالیں سست، تیری مدت حکومت کم اور تیری رعایا پراکندہ ہے، کیا تیرا مقدر اس کے علاوہ کچھ اور ہے؟! اس دن جب منادی ندا دے گا: آگاہ ہو جاؤ! ظالمین پر اللہ کی لعنت ہو۔'' یہ سب باتیں وہ غیب کی خبریں ہیں جو رسول کی یادگار زبان سے پہنچی ہیں، اگر ان پر غور کیا جائے تو زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی شخصیت کے اور دوسرے پہلو ہمارے سامنے آشکار ہو سکتے ہیں۔

علیؑ و فاطمہؑ کی اس بیٹی نے تاریخ کے اس حساس موقعہ پر کہ جہاں ماہر سے ماہر خطیب بھی اپنی گفتگو میں تعادل رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا، اعتماد کے ساتھ غیب کی خبریں دیں، اور اس طرح پیشینگوئی فرمائی کہ آپ سیکڑوں سال گذر جانے کے بعد آج بھی واضح طور پر اس کے نتائج مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ جی ہاں! آج زینب کبریٰؑ کی پیشینگوئی نے سچائی کا لباس اوڑھ کر دشمنان حسین بن علی علیہما السلام کو ذلیل ورسوا کردیا اور عاشور کے انقلاب نے سارے عالم کو اپنی لپیٹ لے لیا۔

۱۲۔مقام ایثار وشہادت پر فخر

آخر کار عقیلہ بنی ہاشم راہ خدا میں اپنے عزیزوں کی شہادت پر فخر کرتی ہیں، شکر اور قدر دانی کے

آہ! عالم باعمل مرحوم شیخ محمد حسین ذاکری

پیشکش: جناب محمد عباس رضوی صاحب

مجاہد کرگل عالم دین حجۃ الاسلام مرحوم شیخ محمد حسین ذاکری صاحب ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ اپنے آپ میں ایک بے مثال مفکر، بے نظیر موسس، ایثار و قربانی کے جذبے سے سرشار قوم کے ہمدرد قائد تھے۔

سماج کے ہر میدان میں ان کی خدمات ہیں، انھوں نے اپنے عہد کے تمام سماجی، سیاسی، مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصبات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ایک بہترین منتظم، سماجی مصلح اور قومی ہم آہنگی کو فروغ دے کر ایک روشن مینارہ کی حیثیت سے اپنے خطہ کے لوگوں کی راہ نمائی کی۔

پورکیستان جسے آج عرف عام میں کرگل کے نام سے پکارا جاتا ہے، سماجی، ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے اس قدر پچھڑا ہوا تھا کہ وہاں کی عوام کا ہر دولتمند استحصال کیا کرتا تھا۔ شیخ ذاکری صاحب نے وہاں کے کمزور لوگوں کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے اور خود اعتمادی کے ساتھ جینے کا سلیقہ اور حوصلہ دیا۔

آپ کی ولادت ۱۹۴۰ء میں ضلع کرگل صوبہ کشمیر کے نواحی گاؤں پرتاپ گنج میں ہوئی جو آج باغ خمینی کے نام سے منسوب ہے، آپ کی ابتدائی عمر بڑی مشکلات اور تکالیف میں گزری، آپ کا تعلق مذہبی خانوادہ سے تھا جو خاندان آخوند محمد ابراہیم کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے، ابتدائی تعلیم

اپنے والد ماجد سے حاصل کیا۔

گورنمنٹ اسکول سے چوتھی کلاس پاس کرنے کے بعد پڑھائی چھوڑ دی، گیارہ سال کی عمر میں روزی روٹی کی تلاش میں سپلائی ڈپارٹمنٹ میں کام کرنے لگے۔ اس وقت ڈیکوٹا ہوائی جہاز کے ذریعہ آرمی کا سامان آتا تھا جسے جہاز سے اسٹور تک پہنچاتے تھے، اس کے علاوہ محنت کے مختلف کام انجام دے کر اپنی روزی روٹی کا بندوبست کرتے رہے۔

۱۵ سال کی عمر میں ہی شادی کے بندھن میں بندھ گئے، تین سال بھی نہ گزرے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، پھر بھی ہمت نہ ہاری محنت و مزدوری کے ساتھ مدرسہ اثنا عشریہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے، اپنے والد کی دینی تعلیم حاصل کرنے کی تمنا میں گھر کے تمام وسائل اور زمین فروخت کر کے عراق جانے کا ارادہ کیا، اس وقت سفر کی مزید مشقتوں کے باوجود نجف اشرف پہنچے، ہمراہ سفر بیوی بچے ہونے کی وجہ سے رہائش کا بندوبست نہیں ہوسکا چنانچہ زیارت کرنے کے بعد وہاں سے کربلائے معلیٰ تشریف لائے اور ایک چھوٹے سے مکان میں کرایہ پر رہنے لگے۔

شہریہ بہت کم ہونے کی وجہ سے مکان کا کرایہ اور بچوں کا آذوقہ مہیا کرنے میں کافی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اس کے علاوہ ناموافق موسمی حالات نے انھیں بیمار کر دیا جسکی وجہ سے بیمار پڑ گئے، جس کی وجہ سے ۱۹۷۱ء میں وطن واپس آ گئے، اور اپنے وطن کرگل میں تبلیغ و ترویج کا قومی و دینی سلسلہ شروع کیا۔

کرگل میں انقلاب اسلامی کو فروغ دینے کے لیے سرگرم عمل رہے، اپنے آبائی گاؤں برو میں انجمن معاون اسلام برو تشکیل دی جس میں نوعمر بچوں کو مذہبی رسومات و تعلیمات کے علاوہ انقلاب خمینی کے مقاصد سے روشناش کرایا شہید مرتضیٰ مطہری اسکول قائم کیا۔ لوگ عصری تعلیم سے ناآشنا تھے انھیں جدید تعلیم کی طرف راغب کیا، الحمدللہ آج ۱۵ شہید مطہری اسکول قوم کے نونہالوں کو زیور تعلیم سے نواز رہے ہیں، چنانچہ یہاں سے فارغ شدہ طلاب حکومت کے مختلف بڑے عہدوں پر فائز ہو کر قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک صحت مند معاشرہ تشکیل دینے کی غرض سے امام محمد باقرؑ کے نام پر باقریہ ہیلتھ کیئر اینڈ ریسرچ سنٹر کا قیام کر کے قوم کے ڈاکٹروں کو مریضوں کی خدمت گزاری کا موقع فراہم کیا۔

جنھوں نے ضلع کے ۴۰ ہزار سے زائد مریضوں کا مفت علاج ومعالجہ کیا، اس کے علاوہ یہ ڈاکٹر قوم کے غریب ونادار مریضوں کی خدمت کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

عاشورہ وار بعین کے موقع پر ماتمی جلوس برآمد کرائے۔ مجالس مواعظہ اور سیمینار کے ذریعہ خواب غفلت میں پڑی قوم کو بیدار کیا۔ ۱۹۸۹ میں امام خمینی کی رحلت کے فورا بعد امام خمینی میموریل ٹرسٹ قائم کر کے مذہبی وسیاسی پروگراموں کا انعقاد کیا جس میں زبردست کامیابی ملی۔ اس علاوہ ضلع کرگل کے باشندوں کے درمیان جاری سیاسی تنظیمی اور نظریاتی اختلافات کو ختم کرا کے اتحاد واتفاق قائم کیا، یہاں کے نوجوان عوامی خدمات کے لیے ہمیشہ کمر بستہ رہتے ہیں۔

۲۰۱۴ میں کشمیر کے سیلاب زدہ علاقہ میں رضا کارانہ تعاون دے کر عوام کو مصیبتوں سے نجات دلائی۔

آقا ذاکری نے کرگل کی خواتین میں پوشیدہ صلاحیتوں اور اسلام میں خواتین کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے نام پر زینبیہ وومن ولفئر سوسائٹی کا قیام کر کے نہ صرف کرگل کی تاریخ میں ایک نیا باب کھولا بلکہ اغیار کی جانب سے کیے جانے والی الزام تراشی کا منھ توڑ جواب دیا۔

چنانچہ یہاں کی خواتین کو زندگی کے ہر شعبہ حیات میں فعال بنایا، دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی و معنوی معاشرہ تشکیل دینے کے لیے جامعہ امام خمینی کی بنیاد رکھی، چنانچہ یہاں کے فارغ طلبہ ایران وعراق میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ساتھ ہی خواتین کی اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ فاطمۃ الزہرا قائم کیا گیا۔ جس میں سیکروں بچیاں اسلامی تعلیم حاصل کر کے دور دراز کے علاقوں میں تبلیغی فرائض انجام دے رہی ہیں۔

غرض کہ مرحوم ذاکری صاحب کے تمام کارناموں کا شمار کرنا مشکل ہے جو انھوں نے قوم کے لیے انجام دیے ہیں خصوصا ضلع کرگل میں جدید تعلیم کے لیے مطہری اسکول کا قیام جو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا، وہ ایک روشن ضمیر انقلابی اور مصلح قوم تھے۔ کرگل کی قوم کو اوپر اٹھانے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے، جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان کے اس سانحہ ارتحال کی خبر سن کر پوری قوم رنج وغم میں ڈوبی ہوئی ہے، چنانچہ ملک اور بیرون ملک کی سبھی مذہبی سیاسی وسماجی تنظیموں کے سر براہوں علما و دانشوروں نے اظہار تعزیت پیش کی ہے۔

★★★★★

سرورِ کائنات کی چالیس سالہ خاموش زندگی پر ایک نظر

عالیجناب مولانا سید علی حماد صاحب فیض آبادی

حضورؐ کی عمر مبارک ترسٹھ سال ہوئی جس میں سے چالیس سال آپ نے بغیر اعلان نبوت گذارے اور تیئس سال تبلیغ فرمائی۔ پہلی نظر میں اس جائزہ اور تجزیہ میں یہ بات قابل اعتراض معلوم ہوتی ہے کہ عمر کا اکثر حصہ صرف تبلیغ کیوں نہ ہوا؟ اگر ایسا ہوتا تو زیادہ بہتر نتائج پیدا ہوتے۔

اور یہ شبہہ زیادہ قوی ہو جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جناب عیسیٰؑ گہوارہ ہی سے اعلان نبوت فرماتے ہیں لیکن دقت نظر سے دیکھنے والا محسوس کرے گا کہ جناب عیسیٰؑ کو ماں کی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے بولنا پڑا جبکہ حضورؐ کو ایسی کوئی ضرورت لاحق نہ تھی۔

یہ سوچنا غلط ہے کہ زمانہ تبلیغ دشوار گذار زمانہ تھا اور عہد خاموشی، دور سہولت تھا، لہٰذا مشکل کو کم رکھا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ لاکھوں مصائب کے باوجود عہد تبلیغ خاموش زندگی کے بہ نسبت زیادہ خوشگوار زمانہ تھا، کیونکہ ہادیؑ اپنے دل کی بات کہنے کا موقع پا رہا تھا۔ مصائب کی آگ میں کردار کا کندن اور چمکتا جاتا تھا ناکامیاں مرسل اعظمؐ کے حوصلوں کو قوی سے قوی تر بناتی جاتی تھیں اور حضورؐ کو لمحہ بہ لمحہ تسکین ہوتی جاتی تھی کہ لوگ مانیں یا نہ مانیں میں اپنے فرض سے بجا طور پر عہدہ برآ ہو رہا ہوں۔

مزید برآں جیسے جیسے کفر ٹوٹتا جاتا تھا ہادیؑ کی مسرتوں میں اضافہ بھی ہوتا جاتا تھا اس کے برخلاف چالیس سال خاموش زندگی حضورؐ کی زندگی کا مشکل ترین حصہ ہے کیونکہ معمارِ قوم جب اپنے

چاروں طرف انسانیت کے تباہ شدہ اور تباہ کن کھنڈروں کو دیکھتا ہے مگر اُف کرنے کا موقع نہیں پاتا، خصوصاً جب یہ احساس بھی تیز سے تیز تر ہوجاتا ہے کہ اگر مجھے اجازت مل جائے تو انسانیت کے انھیں گلے سڑے تختوں سے حیات انسانیت کا سفینہ تیار ہوسکتا ہے۔قوم گری کی مٹی میں ابھی نمی باقی ہے، مدت گذرنے پر ممکن ہے کہ خشک ہوجائے، یہ خوف بھی بڑھتا جاتا ہے۔

سوچنے والوں کا فرض ہے کہ وہ اندازہ لگائیں کہ اگر ہم میں سے کسی کو چوبیس ۲۴ گھنٹے کسی مزبلہ پر بٹھلا دیا جائے اور یہ پابندی بھی لگا دی جائے کہ پھیلی ہوئی بدبو میں ناک پر کپڑا بغیر سانس لوتو ہمارے لئے چوبیس گھنٹے سال بن جائیں گے یا پھر قوتِ شامہ کی تیز نیک و بد ختم ہوجائے گی۔ دوسرے لفظوں میں شامہ فطرت کا دیار چھوڑ کر مزبلہ کی بدبو کے کفر سے ہم آہنگ ہوجائے گی۔

اس کے برخلاف حضورؐ چالیس سال تک انسانی مذموم اخلاق کے جاہلی مزبلہ پر خاموش زندگی بسر کرتے ہیں نہ انسانی کردار کی یہ روح عطر تڑپ کر جان دیدیتی ہے، نہ جاہلی معاشرہ میں حضورؐ جذب ہوتے ہیں، بلکہ قبل اعلان اسلام، ہر قدم اسلام کے مطابق یوں بسر کرتے ہیں کہ کفر قبل اعلان اسلام، آپ سے ناخوشگوار تعلقات کا شاکی نہیں، اور بعد اعلان اسلام یہ کہنے کی ہمت نہیں پاتا کہ آپؐ کبھی ہمارے جیسے تھے، ورنہ سورۂ کافرونؑ کے اعلان: **"لا اعبد ما تعبدون"** (میں نے کبھی تمھارا مذہب اختیار نہیں کیا) پر کفر خاموش نہ رہتا۔

غرض کہ مذکورہ بالا ماحول میں حضورؐ جو گھٹن محسوس کرتے تھے اس پر مشیت الٰہی کے لئے جذبۂ تسلیم ورضا کے ذریعہ قابو پانا صرف آپ ہی کا کام تھا، اعلان نبوت کے دن حضورؐ کو وہی مسرت حاصل ہوئی تھی جو کسی شخص کو اس کی دیرینہ تمنا پوری ہونے پر حاصل ہوتی ہے، البتہ اعلان نبوت سے پہلے حضورؐ جس ذہنی تکلیف اور روحانی تشویش میں اپنے آپ کو پاتے تھے۔شاید **"ما اوذی نبی قسط کما اوذیت"** (جتنی اذیتیں مجھے پہونچیں کسی دوسرے نبی کو نہیں پہونچیں) کے فقرہ میں بھی ان کی طرف اشارہ ہو، اور اگر یہ سمجھا جائے کہ ماحول کی درگت جذبۂ اصلاح کی بیتابی کے درمیان حضورؐ نا قابل برداشت اذیتیں محسوس فرماتے تھے تو آبادی چھوڑ کر غار حرا میں جا بیٹھتے تھے، غار حرا کی گوشہ نشینی کے بارے میں یہ سمجھنا غلط ہے کہ جس طرح ہم میں سے کوئی بھی کسی تقریر، مقالہ، مضمون یا نظم کی تیاری

کے لئے تخلیہ چاہتا ہے اسی طرح حضور بھی ہدایت کی منصوبہ بندی کے لئے غار حرا کی خلوت پسند فرماتے تھے، یہ خیال بھی نبیؐ کو اپنا جیسا سمجھنے کا نتیجہ ہے، بلکہ اس گوشہ نشینی کا مقصد یہی تھا کہ منظر جب نا قابل برداشت ہو جائے تو اس کے نظارہ سے ہٹ جانے ہی میں سکون ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں یہ بات ہر شخص کے لئے قابل یقین بن جاتی ہے کہ عہد خاموشی عہد تبلیغ سے زیادہ کربناک اور اذیت رسان تھا، اور مشکل پسند نبیؐ نے یہ روش ایک عظیم مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اختیار کی تھی اور وہ عظیم مقصد یہ تھا کہ انبیاء ماسبق نے ثبوتِ نبوت میں معجزات پیش کئے تھے، کیونکہ عقل انسانی اس وقت تک ایسی تعلیم وترقی، تہذیب وتمدن اور بیداری تک نہ پہونچی تھی کہ عقلوں کو حیرانی میں ڈالے بغیر حق کی راہ دکھائی جا سکتی۔

آپ خود سوچیں جب جناب ابراہیمؑ خدا کی صفت، زندہ مردہ کرنا، مردہ کو زندہ کرنا بتاتے ہیں اور نمرود دو قیدیوں کو آزاد اور دو قیدیوں کو قتل کر کے اپنی خدائی ثابت کرتا ہے، نمرود کی یہ شعبدہ بازی قابل توجہ نہیں ہے بلکہ قابل حیرت درباریوں کے وہ ذہن ہیں جنھوں نے شعبدہ کو حقیقت مان لیا تھا۔ اور نمرودی کرتب کے بعد اسکی خدائی کے سامنے سربسجود تھے ایسی عقل والوں کو صرف معجزہ کے ذریعہ حیران کر کے ہی حق منوایا جا سکتا تھا دلائل کی نازک پنکھڑیاں ان پتھریلی عقلوں پر کیا اثر ڈال سکتی تھیں۔

فرعونی فرعون کو اپنا جیسا انسان دیکھتے آئے پھر بھی اپنا خدا مان لیتے ہیں، فرعون کو موسیٰ کی ولادت کے خطرے سے پریشان دیکھنے کے باوجود بھی ان کی نظر میں فرعون ان کا خدا رہتا ہے۔ خود فرعون کا گھر بچہ سے خالی ہے، مگر عقل سے خالی فرعونی اب بھی اس کو خالق مانتے ہیں، ایسے بے عقلوں کو صرف عصائے موسیٰ ہی درست کر سکتا تھا، ورنہ لوگ بات کے آدمی نہ تھے۔

اس کے برخلاف حضورؐ کو جو مذہب پیش کرنا تھا اسے قیامت آنے تک انسانوں کی قیامت خیز ترقیوں کے باوجود ترو تازہ رکھنا تھا، لہٰذا آپ نے زمانۂ تبلیغ میں بھی جا بجا بے شمار معجزے انبیاء ماسبق کی طرح دکھلائے۔ لیکن تبلیغ کے پہلے دن دعوائے نبوت کے ثبوت میں کسی معجزہ کو پیش نہیں فرمایا۔

بلکہ اپنی گذشتہ چالیس سالہ خاموش زندگی کو اپنے دعوے کی سچائی کا گواہ بنایا اس طریقہ

استدلال نے کل بھی اور آج بھی ہر مخالف اسلام کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ نبیؐ کے کردار میں کوئی نقص کوئی عیب سوتے جاگتے عمداً سہواً، واقعاً یا بطور مذاق کسی طرح بھی نکال سکیں تو دعوای نبوت خود بخود واپس ہو جائے گا، ضرورت زبان ہلانے کی تھی کہ دامن نبوت پر عیوب کے الزام لگائے جاتے مگر دشمنوں کے نیزے ہلے، زبانیں نہ ہل سکیں۔

حضورؐ نے چالیس سالہ خاموش مگر بے عیب زندگی بسر کی تھی، عمارت جتنی بلند بنانا مقصود ہوتی ہے، نیو اور بنیاد اتنی ہی گہری اور مضبوط بنائی جاتی ہے حضورؐ کو معلوم تھا کہ آپکو تبلیغ کی ۲۳ منزلہ ایسی بلند عمارت تیار کرنا ہے جو قیامت کی سرحدوں کو چھولے۔

حضورؐ کو غیر صادق ثابت کرنے کے لئے آپ کی زندگی میں ایک عیب نکالنا کافی تھا نبوت یک قلم مسترد ہو جاتی ،مگر ہزاروں نے سر قلم کرائے لیکن حضورؐ کے کردار پر ایک نقطہ نہ رکھ سکے، تیر چلے مگر الزام کے تیر نہ چلائے جا سکے، کردار کو دعویٰ کے ثبوت میں اس لئے پیش کیا کہ یہ اپنے مثبت پہلو (خوبیٔ کردار) اور منفی پہلو (عیب سے خالی کردار) دونوں رخوں سے دعویٰ نبوت کو ثابت کرتا ہے علاوہ ازیں پھر معجزہ کچھ مدت کے بعد روایت بن جاتا ہے، جس پر شک کرنا ممکن ہے، نیز معجزہ مشکل کو آسان بناتا ہے نہ کہ محال کو ممکن بنانا۔ لہٰذا کبھی یہ بھی ممکن تھا کہ حضورؐ کے پیش کردہ معجزہ کو سائنسی طاقتوں کے ذریعہ کر دکھایا جاتا جس طرح حضورؐ لعاب دہن لگا کر میدان خیبر میں جناب امیرؑ کو شفا بخشتے ہیں اور طبیب دوائیں دیکر آشوب چشم دور کر سکتا ہے۔

اگر چہ پھر بھی یہ فرق تا قیام قیامت نہ مٹے گا دواؤں کے وسائل سے اور ان کی تاثیر کی مدّت سے آزاد و بے نیاز ہو کر لعاب دہن کی انگلی پھیرتے ہی آشوب چشم کو دور کرنا سائنسی طاقتوں کے لئے ممکن نہ ہو گا مگر پھر بھی ضدی ذہنوں کو یہ کہنے کا موقع مل سکتا تھا کہ جو نبیؐ نے کیا وہ ہم بھی کر سکتے ہیں۔ اور معجزات کا وزن گھٹ جاتا، جس کے بعد نبوت کا پلہ بھی ہلکا ہو جاتا۔

لہٰذا حضورؐ نے اعلان تبلیغ کے دن معجزہ نفس (بے عیب کردار کو) پیش کیا کہ جب تک نفس انسانی

باقی ہے، اس معجزہ کی تاثیر بھی تازہ اور زندہ رہے گی اور اس معجزہ پر طویل زمانہ گذرنے کے باوجود روایت کے نام پر شک کا کیچڑ اچھالنے کا موقع نہ ملے گا۔ بلکہ جب تک نام محمدؐ اور وجود محمد مسلمہ تاریخ رہے گا حضورؐ کا یہ دعویٰ کہ "میرے کردار میں عیب نکالو، تو میں خود تسلیم کرلوں کہ میں نبی نہیں ہوں" اور کردار کے چشم دید گواہوں کا حضورؐ کے چیلنج کے جواب میں عاجز ہوکر مر مٹنے کی کوشش کرنا میدان جنگ میں بار بار بھاگ کر بے حیائی سے آنا مگر کردار نبی کا مقابلہ نہ کرنا بھی ایک تاریخی حقیقت رہے گی، جب تک تاریخ زندہ ہے نام محمدؐ زندہ ہے، جب تک نام محمدؐ زندہ ہے آپکا بے عیب کردار پائندہ ہے۔

اسی عظیم فائدہ کو حاصل کرنیکے لئے حضورؐ نے چالیس سالہ خاموش مگر بے عیب زندگی بسر کی تھی ہر بچہ بھی جانتا ہے کہ عمارت جتنی بلند بنانا مقصود ہوتی ہے، نیو اور بنیاد اتنی ہی گہری اور مضبوط بنائی جاتی ہے حضورؐ کو معلوم تھا کہ آپکو تبلیغ کی ۲۳ منزلہ ایسی بلند عمارت تیار کرنا ہے جو قیامت کی سرحدوں کو چھولے لہٰذا آپ نے اس کی چالیس منزل گہری مضبوط بنیاد قائم کی۔"

چنانچہ تیئیس سالہ تبلیغی کامیابیوں پر چالیس سالہ خاموش زندگی کی چھاپ ہے۔

یہ ایک ہلکا اشارہ ہے ورنہ خدا کی باتیں نبیؐ جانے اور نبی کی باتیں خدا جانے، آنکھ بس اتنا کہتی ہے جتنا دیکھتی ہے۔

★★★★★

امام حسنؑ کی عبادت اور سخاوت

امام حسن علیہ السلام کا یہ دستور تھا کہ آپ نماز صبح سے فارغ ہونے کے بعد سے طلوع آفتاب تک کسی سے گفتگو نہیں کرتے تھے بس یاد خدا میں مصروف رہتے تھے۔

آپ نے تقریباً پچیس بار حج بیت اللہ پا پیادہ کیا ہے۔

اور دو بار اپنے اموال کو راہ خدا میں خرچ کر دیا۔ (اپنی دولت کا نصف راہ خدا میں صرف کر دیا)

(بحار، ج ۴۳، ص ۳۴۹)

کمال صبر انساں

جناب ذکی احمد صاحب

صفیں آراستہ کرلیں عزائے شاہ ذیشاں کی
حسینؑ ابن علیؑ کا ذکر ہے پہچان ایماں کی

اسی مظلوم نے ملت کو پھر سے زندگی بخشی
وگرنہ ہو چکی ہوتی یہ زینت طاق نسیاں کی

زباں پر نام آتے ہی عجب اک ہوک اٹھتی ہے
نہیں لفظوں میں ممکن ترجمانی سوز پنہاں کی

مسلمانوں کے ہاتھوں کربلا میں روز عاشورہ
تباہی دیکھتا کوئی محمد کے دبستاں کی

حجاب احمد مرسل نے کچھ ایسی ہوا بدلی
ہوس میں زر کی امت نے بھلادی یاد یزداں کی

خلافت رفتہ رفتہ ایسے دیوانوں کے ہاتھ آئی
صفت رکھتے تھے جو اکثر بہائم اور حیواں کی

کریں بیعت گوارا یا شہادت حکم حاکم تھا
جھکیں یا مرمٹیں شبیرؑ خواہش تھی یہ شیطاں کی

پسر خیبر شکن کا اور شر کے سامنے جھکتا
کہاں آلؑ محمدؐ اور بیعت آل سفیاں کی

یہی حالات تھے جن میں محمدؐ کے نواسے نے
اعزا کی احبا کی خود اپنی جان قرباں کی

رضائے حق میں کچھ ایسا تھا جذبہ جان دینے کا
بڑا بوڑھا تھا یا بچہ، کسے پروا بھلا جاں کی

نبی کی آل تھی بے آب و دانہ کلمہ گویوں میں
نہ تھا کوئی کہ پیاس آکر بجھاتا سوختہ جاں کی

جو ننھا جاں بلب بچہ تھا تیرے روبرو اس کو
طلب پانی کی تھی اے حرملہ یا آب پیکاں کی

عرب کی میزبانی کی بڑی تعریف سنتے تھے
مگر اے کوفیو! تم نے عجب توقیر مہماں کی

اُدھر فوج یزیدی میں تھے شامل کچھ صحابہ بھی
اِدھر بے چین تھیں روحیں ابوذر اور سلماں کی

ستم یہ تھا کہ تھے حفاظ بھی اعدا کے ہمراہی
ہوس میں مال کی ان کو نہ کچھ پروا تھی عصیاں کی

اگر وہ بھول بیٹھے تھے رسول اللہ کی باتیں
شہادت کیا نہ تھی کافی انہیں آیاتِ قرآں کی

وہ کیسا بے بسی کا وقت ہوگا بعد شہ، سوچو!
ڈرے سہمے ہوئے بچے وہ سنسانی بیاباں کی

یزیدی بھیڑیوں کی میتیں دفنائی جاتی تھیں
پڑی تھی لاش بے سر، ان میں دو عالم کے سلطاں کی

سر دربار ننگے سر، محمدؐ کی نواسی تھی
الٰہی بعد احمدؐ کیا ہوئی غیرت مسلماں کی

نہ اتنے پر کیا بس، اے شہ بطحا، تری عترت
اٹھاتی ہی رہی برسوں صعوبت طوق وزنداں کی

ہوئے خود جاں بحق تسلیم، لیکن رہ گئی باقی
دلوں پر حکمرانی تا ابد فخر سلیماں کی

اسی کے نام سے وابستگی پر فخر ہے مجھ کو
کہ جس کے فیض سے اب تک بنا قائم ہے ایماں کی

ذکی اتنے مصائب پر بھی نظم وضبط سرور سے
حدیں معلوم ہوتی ہیں کمال صبر انساں کی

★★★★★

امام حسن مجتبیٰؑ اور خوف الٰہی

مرحوم شیخ صدوق امام جعفر صادقؑ سے روایت فرماتے ہیں کہ:

حسنؑ بن علیؑ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عابد اور زاہد تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ جب حج خدا کو جاتے تو پیدل جاتے تھے اور کبھی کبھی پا برہنہ حج بیت اللہ کو تشریف لے جاتے۔

جب آپ موت کو یاد کرتے تو خوب گریہ کرتے تھے، قبر کی تنہائی کو یاد کرتے تو خوب گریہ کرتے تھے، قیامت کے حساب و کتاب کو یاد کرتے تو خوف خدا سے گریہ فرماتے تھے، پل صراط سے گذرنے کا منظر سوچتے تو خوب گریہ کرتے تھے، جب محشر میں خداوند منان کے سامنے پیش ہونے کے منظر کو یاد کرتے تو اتنا گریہ کرتے کہ روتے روتے آپ زمین پر گر جایا کرتے تھے، جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو آپ کا پورا بدن کانپنے لگتا تھا، جب آپ کے سامنے جنت و جہنم کا تذکرہ ہوتا تو آپ مضطرب ہو جاتے اور سرگرداں ہوتے ہوئے خداوند عالم سے جنت میں جانے کی خواہش اور جہنم سے امان کی دعا فرماتے تھے، جب قرآن کی تلاوت فرماتے اور "یاایھا الذین امنوا" پر پہونچتے تو "لبیک اللھم لبیک" فرماتے تھے، اور ہمیشہ جب بھی آپؑ کو کوئی دیکھتا تو آپؑ کو ذکر خدا میں مشغول پاتا، آپؑ دنیا میں سب سے بڑے سچے اور کلام کرنے میں سب سے فصیح تھے۔ (بحارالانوار، ج ۴۳ ص ۳۳۱)

دنیائے اسلام

حج کے دوران ہونے والے حادثات پر ایک اجمالی نگاہ

ہر برس دنیا بھر سے لاکھوں کی تعداد میں مسلمان فریضہ حج کی ادائیگی کیلئے مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں۔ بیس لاکھ سے زائد افراد کے اس عظیم الشان اجتماع کے لئے ضروری انتظامات سعودی عرب حکومت کی شرعی اور اسلامی ذمہ داری ہے، اسلامی ممالک کی جانب سے حجاج کے لئے بہترین انتظامات کی اپیل کے باوجود سعودی حکومت اس ذمہ داری کو کماحقہ انجام دینے میں ناکام رہی ہے اور ہر سال حج کے موقع پر کسی نہ کسی تلخ حادثہ کا اندیشہ لاحق رہتا ہے، حج کے دوران اب تک ہونے والے بڑے حادثات منیٰ کے میدان میں وقوع پذیر ہوئے، ۲۴ ستمبر ۲۰۱۵ء کے علاوہ حج کے دوران ہونے والے سانحات کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔

☆ ۱۱ ستمبر ۲۰۱۵ کو مناسک حج کے آغاز سے کچھ روز قبل حرم شریف میں نصب کریں خراب موسم اور طوفان بادوباراں کے باعث نیچے آگری جس کی وجہ سے ۱۰۷ افراد شہید اور ۴۰۰ سے زائد زخمی ہوگئے۔

☆ جنوری ۲۰۰۶ کو منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنے کے دوران حاجیوں میں بھگدڑ مچ جانے کے باعث ۳۶۰ حاجی شہید ہوگئے۔

قبل ازیں مناسک حج کے آغاز سے ایک روز قبل حرم شریف کے قریب واقع ایک آٹھ منزلہ ہوٹل گرنے سے ۷۳ افراد شہید ہوگئے جن میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو حج کے لئے وہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔

☆ ۲۲ جنوری ۲۰۰۵ء کو منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنے کے دوران بھگدڑ کے باعث ۳ افراد شہید ہوگئے۔

☆ یکم فروری ۲۰۰۴ء کو منیٰ میں بھگدڑ مچنے سے ۲۵۰ افراد شہید اور سینکڑوں زخمی ہو گئے۔

☆ ۱۱ فروری ۲۰۰۳ء کو منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنے کے دوران بھگدڑ مچنے سے چھ خواتین سمیت ۱۴ حاجی شہید ہو گئے۔

☆ ۵ مارچ ۲۰۰۱ء کو منیٰ میں ہی بھگدڑ مچنے کے باعث ۳۵ حاجی شہید ہو گئے۔

☆ ۹ اپریل ۱۹۹۸ء کو منیٰ میں بھگدڑ سے ۱۱۸ حاجی شہید زخمی ہوئے۔

☆ ۱۵ اپریل ۱۹۹۷ء کو منیٰ کی خیمہ بستی میں آگ بھڑک اٹھنے کے باعث ۳۴۳ حاجی شہید اور ۱۵۰۰ سے زائد زخمی ہو گئے۔

☆ ۲ جولائی ۱۹۹۰ء کو منیٰ میں حاجیوں کے لئے بنائی گئی سرنگ میں ہوا کی آمد ورفت کو کنٹرول کرنے والے نظام میں خرابی کے باعث ۱۴۲۶ حاجی دم گھٹنے کے باعث شہید ہو گئے جن میں غالب اکثریت ایشیائی باشندوں کی تھی۔

☆ ۱۰ جولائی ۱۹۸۹ء کو حرم شریف اور اس کے بیرونی حصے میں دو حملوں کے دوران ایک شخص شہید اور ۱۶ زخمی ہو گئے۔ اس واقعہ کے ذمہ دار ۱۶ کویتی باشندوں کو گرفتار کر کے چند ہفتوں بعد سزائے موت دے دی گئی۔

☆ ۳۱ جولائی ۱۹۸۷ء کو سعودی عرب کی سکیورٹی فورسز نے ایرانی حاجیوں کی جانب سے غیر قانونی احتجاجی مظاہرے کو فرو کرنے کے لئے کارروائی کی جس کے نتیجے میں ۲۷۵ ایرانی باشندوں سمیت ۴۰۰ سے زائد افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

☆ دسمبر ۱۹۷۵ء کو گیس سلنڈر کے باعث آگ بھڑک اٹھنے سے حاجیوں کی خیمہ بستی میں ۲۰۰ سے زائد حاجی شہید ہو گئے۔

سعودی حکومت ایرانی شہریوں کو حج جیسے عظیم الٰہی فریضے سے محروم کرنے کی ذمہ دار ہے

حجت الاسلام قاضی عسکر

حج کے امور میں ولی فقیہ کے نمائندے اور ایرانی عازمین حج کے سرپرست حجت الاسلام قاضی عسکر نے کہا ہے کہ ایران کے محکمہ حج وزیارت کے حکام نے حج کے عظیم الٰہی فریضے کی انجام دہی کے لئے اپنی پوری کوشش کی لیکن سعودی حکومت نے ایرانی شہریوں کو حج کی سعادت سے محروم کر دیا۔

ایرانی حج مشن کے حکام آبرومندانہ اور باعزت اور ایرانی عوام کی شان کے مطابق حج کرنا چاہتے ہیں۔ حج کے انتظام میں سعودی حکام کی نااہلی، بے تدبیری، کوتاہیوں اور ہر سال حج کے دوران پیش آنے والے حادثات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس قسم کے حادثوں سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسلامی ملکوں پر مشتمل ایک ایسی کمیٹی تشکیل دی جائے جو حج کا انتظام صحیح طریقے سے چلا سکے۔

ایرانی عازمین حج کے سرپرست نے پہلے بھی سعودی حکام کو خبردار کیا تھا کہ وہ مناسک حج کی ادائیگی کو سیاسی معاملہ نہ بنائیں۔

واضح رہے کہ گذشتہ برس حج کے موقع پر رمی جمرات کے وقت سعودی حکام کی نااہلی کی وجہ سے دنیا کے مختلف ملکوں کے آٹھ ہزار سے زائد حاجی شہید ہوگئے تھے جن میں چار سو چونسٹھ ایرانی حاجی بھی شامل تھے۔

بحرین کی شاہی حکومت کو شیعہ رہنما کا انتباہ

بحرین کی جمیعت وفاق ملی کے اسیر رہنما شیخ علی سلمان نے عوام کے خلاف شاہی حکومت کے ظالمانہ اقدامات کی بابت سخت خبردار کیا ہے۔

جیل سے اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کے نام اپنے ایک پیغام میں انہوں نے کہا ہے کہ آیت اللہ شیخ عیسیٰ قاسم کی شہریت سلب کئے جانے بعد سے ملک کی اکثریتی شیعہ آبادی کے خلاف شاہی حکومت کے ظالمانہ اقدامات میں زبردست اضافہ ہوگیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ بحرین کے عوام ملک میں انصاف اور سماجی مساوات کے خواہاں ہیں اور عالمی برادری سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس مقصد کے حصول میں ان کا ساتھ دے، بحرین کے اسیر سیاسی رہنما کا کہنا تھا کہ جمہوری مطالبات کے حق میں بحرین کے عوام کے پرامن مظاہرے کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں اور ہمیں عالمی برداری سے توقع ہے کہ وہ بحرین کی شاہی حکومت کو عالمی قوانین اور ضابطوں پر عمل درآمد کا پابند بنانے کے لیے اس پر لازمی دباؤ ڈالے گی۔

قابل ذکر ہے کہ بحرین کی شاہی حکومت نے ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت جمیعت وفاق ملی کے سربراہ شیخ علی سلمان کو سن ۲۰۱۵ میں بے بنیاد الزامات کے تحت چار سال قید کی سزا سنائی تھی جسے بڑھا کر نو سال کر دیا گیا ہے، بحرین کی شاہی حکومت کے اس فیصلے پر انسانی حقوق کی تنظیموں

نے سخت ردعمل ظاہر کیا تھا۔

بحرین کی شاہی حکومت نے ملک کی اکثری شیعہ آبادی کے ہر دل عزیز مذہبی رہنما آیت اللہ شیخ عیسی قاسم کی شہریت بھی منسوخ کر دی ہے اور پچھلے دو ماہ سے زیادہ عرصے سے ان کے آبائی ٹاؤن الدراز کا محاصرہ بھی کر رکھا ہے۔

بحرین میں فروری ۲۰۱۱ء سے عوامی تحریک جاری ہے اور اس ملک کے عوام سیاسی اصلاحات، آزادی و انصاف کے قیام اور سماجی ناانصافیوں کے خاتمے کا مطالبہ کر رہے ہیں، لیکن بحرین کی شاہی حکومت عوامی مطالبات پورے کرنے کے بجائے سعودی فوجیوں کے ساتھ مل کر ملک میں جاری پرامن جمہوری تحریک کو کچلنے کی کوشش کی کر رہی ہے۔

سعودی حکومت کے جنگی جرائم میں اقوام متحدہ کا کردار

اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق کے ترجمان "سیسیل بوئی" نے کہا ہے کہ یمن کے خلاف سعودی عرب کی جنگ میں چھبیس مارچ دو ہزار پندرہ سے بائیس ستمبر دو ہزار سولہ تک مرنے والوں کی تعداد تین ہزار آٹھ سو نوے سے زیادہ ہے جبکہ چھ ہزار نو سو نو افراد زخمی بھی ہوئے ہیں۔

سیسیل بوئی نے ایسی حالت میں ان اعداد و شمار کا اعلان کیا ہے کہ یمنی ذرائع نے یمن میں شہید ہونے والے عام شہریوں کی تعداد تقریباً آٹھ ہزار اور زخمیوں کی تعداد بھی تقریباً تیس ہزار کے قریب بتائی ہے۔

اقوام متحدہ اور یمنی ذرائع کے اعداد و شمار میں جو بہت بڑا اختلاف موجود ہے اس سے قطع نظر، اقوام متحدہ کے ان ہی اعداد و شمار کو بھی اگر بنیاد بنایا جائے تو سعودی عرب جنگی جرائم، امن و سلامتی کے خلاف جرائم اور انسانیت کے خلاف جرائم کا مرتکب ہوا ہے۔

اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق کے ترجمان کے اس اعتراف کے باوجود، اس عالمی ادارے نے اب تک یمن میں سعودی عرب کے جرائم کے بارے میں کوئی اقدام نہیں کیا ہے، ایک اہم قدم جو اب تک اقوام متحدہ نے اٹھایا وہ یمن میں بچوں کے حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے ممالک کی فہرست میں سعودی عرب کا نام شامل کیا جانا تھا تاہم آل سعود اور اس کے

اتحادیوں کی جانب سے دھمکیاں دیئے جانے کے بعد سعودی عرب کا نام اس فہرست سے نکال دیا گیا۔

اقوام متحدہ سعودی عرب کے خلاف جو اہم قدم اٹھا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یمن کے مظلوم اور نہتے عوام کے خلاف وحشیانہ مظالم اور جنگی جرائم کے سبب بین الاقوامی فوجداری عدالت میں آل سعود کے خلاف مقدمہ دائر کرے، بین الاقوامی فوجداری عدالت کے منشور کے مطابق جنگی جرائم، امن و سلامتی کے خلاف جرائم اور انسانیت کے خلاف جرائم، حکام سے عدالتی استثنائات اور تحفظات سلب ہونے کا سبب بنتے ہیں۔

اس امر کے پیش نظر کہ سعودی عرب نے بین الاقوامی فوجداری عدالت کے منشور پر دستخط نہیں کئے ہیں، یہ اقدام بھی اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل اور یا سلامتی کونسل کے توسط سے انجام پانا چاہئے، لیکن جب اقوام متحدہ کے جنرل سیکریٹری سعودی عرب کا نام بچوں کے حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے ممالک کی فہرست میں شامل نہیں کر سکے تو پھر اس کی کیا توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ آل سعود کے جرائم کا کیس بین الاقوامی فوجداری عدالت میں بھیج سکیں گے۔

اسی طرح اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے توسط سے بھی یہ کام انجام پانا بعید معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس کونسل کے بعض مستقل ممبر ممالک خاص طور پر امریکہ یمن کے خلاف جنگ کے حامیوں میں ہے۔

ان تمام صورتحال کے پیش نظر ہی یمن کی تحریک انصاراللہ کے ترجمان محمد عبدالسلام نے سوشل نیٹ ورک فیس بک پر یمن کے خلاف سعودی جارحیت پر اقوام متحدہ کی خاموشی کو انتہائی قابل مذمت فعل قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ یمن پر سعودی بمباری اور جارحیت پر اقوام متحدہ کی خاموشی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ادارہ دنیا کی قوموں پر ایک بوجھ بن گیا ہے اور عالمی قوانین کے تحفظ کے نام پر قوموں کو نابود کرنے پر تلا ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے توسط سے بین الاقوامی قوانین پر عملدرآمد اسی صورت میں

ہوسکتا ہے جب بڑی طاقتوں کی اجارہ داری اس پر ختم ہوجائے۔

یورپ سے صیہونی حکومت کے بائیکاٹ کی عالمی تحریک کا آغاز

میڈرڈ، کیڈز اور والینشیا سمیت اسپین کے دسیوں شہر صیہونی حکومت کے بائیکاٹ کی عالمی تحریک بی ڈی ایس میں شامل ہو گئے ہیں۔

غاصب صیہونی حکومت کے بائیکاٹ کی فلسطینی کمیٹی کے اعلان کے مطابق یورپ کے پچاس سے زائد شہروں کی کونسلوں نے اسرائیلی اپارتھائیڈ سے آزاد علاقوں میں شمولیت کا اعلان کر دیا ہے،

اسرائیل کے بائیکاٹ کی قومی فلسطینی کمیٹی نے اس کو صیہونی حکومت کے بائیکاٹ کی عالمی تحریک بی ڈی ایس کے لئے ایک بڑی کامیابی قرار دیا ہے۔

اس رپورٹ کے مطابق جن یورپی شہروں نے غاصب صیہونی حکومت کے بائیکاٹ کی عالمی تحریک بی ڈی ایس میں شمولیت کا اعلان کیا ہے ان میں میڈرڈ، کیڈز، اور والینشیا سمیت دسیوں ہسپانوی شہر بھی شامل ہیں۔ غاصب صیہونی حکومت کے بائیکاٹ کی قومی فلسطینی کمیٹی نے اسپین کے مختلف علاقوں میں اسرائیلی اپارتھائیڈ سے آزادی کی کمپین شروع کی ہے جس کو اسپین کی بلدیاتی کونسلوں، تعلیمی اداروں اور سماجی تنظیموں کی حمایت حاصل ہے۔

اسرائیل کے بائیکاٹ کی قومی فلسطینی کمیٹی نے اعلان کیا ہے کہ اس کمپین نے انیس سو اسی کے عشرے میں جنوبی افریقا کی اپارتھائیڈ کی مخالف تحریک کی شکل اختیار کر لی ہے۔

قابل ذکر ہے کہ یورپ اور امریکا کے بہت سے سیاسی وسماجی کارکنوں نے صیہونی حکومت کے بائیکاٹ کی عالمی تحریک بی ڈی ایس کا خیر مقدم کیا ہے۔

ایران، فلسطینیوں کی حمایت مذہبی اور لسانی بنیادوں پر نہیں بلکہ انسانی اور اخلاقی بنیادوں پر کر رہا ہے۔

ایرانی صدر حسن روحانی نے فلسطینی عوام کے درد و آلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ایران فلسطینیوں کی حمایت جاری رکھے گا، ایران کی طرف سے فلسطینیوں کی حمایت کسی قوم، نسل اور زبان کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ ایک انسانی مسئلہ ہے اور ایران انسانی اور اخلاقی بنیادوں پر فلسطین کے

ساتھ اپنے اس تاریخی خطاب کو پایہ تکمیل تک پہونچاتی ہیں:

''حمد و شکر ہے اس پروردگار کے لئے جس نے ہمارے ابتدائی کام کو سعادت و مغفرت سے نزدیک کیا اور اس کے اختتام کو شہادت و رحمت پر ختم کیا۔ ہم اپنے پروردگار کی بارگاہ میں شہداء کے اجر میں اضافہ اور اس کے کامل ہونے کے خواستار ہیں اور ہمیں ان کا صالح جانشین قرار دے۔ وہ کرم کرنے والا اور دوست رکھنے والا ہے۔ ہمارے لئے پروردگار ہی کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین سرپرست ہے۔''

یزید اس رسا کلام اور حکیمانہ خطاب کے مقابل اتنا لاچار اور ناتواں تھا کہ اس نے صرف اس جملہ پر ہی اکتفا کی: ''یہ ایسی فریاد ہے جو نوحہ گر عورتوں کو ہی زیب دیتی ہے، مصیبت زدہ اور دل سوختہ خواتین کے لئے موت کتنی آسان ہے۔''

★★★★★

نیکی اور صدقہ

امام باقرؑ فرماتے ہیں:

"اَلبِرُّ وَ الصَّدَقَۃُ یَنفیانِ الفَقرَ وَ یَزیدانِ فِی العُمرِ وَ یَدفَعانِ عَن صاحِبِھما سَبعینَ میتَۃَ سوءٍ"

نیکی اور صدقہ، فقر کو دور، عمر میں اضافہ کرتا ہے اور ستر بری موتوں سے بچاتا ہے۔

(من لایحضرہ الفقیہ ج ۲، ص ۶۶)

حدیث امام صادق علیہ السلام:

"صَدَقَۃٌ یُحِبُّھَا اللہ: إصلاحٌ بَینَ النّاسِ إذا تَفاسَدوا، وَ تَقارُبُ بَینَھُم إذا تَباعَدوا"

وہ صدقہ جو خدا کو پسند ہے لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا جب ان میں فساد ہو جائے، اور لوگوں کے درمیان قربت پیدا کرے جب ان میں دوری ہو جائے۔

(کافی ج ۲، ص ۲۰۹)

مظلوم عوام کی حمایت جاری رکھے گا۔

اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر حسن روحانی نے وینزوئلا میں ناوابستہ تحریک کے رکن ممالک کے سربراہی اجلاس سے خطاب میں ناوابستہ

تحریک کے رکن ممالک کی ۴ سالہ صدارت کو دوست ملک وینزوئلا کے حوالے کرتے ہوئے کہا ہے کہ امریکہ کے ہمراہ ناوابستہ تحریک کے بعض رکن ممالک بھی دہشت گردوں کی حمایت اور دہشت گردی کو سیاسی حربے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ جبکہ دہشت گردی عالمی خطرہ ہے اور اس کا ملکر مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

صدر حسن روحانی نے کہا کہ ناوابستہ تحریک مستقل ممالک کا ایک مستقل ادارہ ہے اور اس کے تمام اساسی اور بنیادی اہداف اس طرح مرتب کئے گئے ہیں جو تمام ممالک کے لئے بنیادی اور اساسی معیاروں کے عنوان سے پہچانے جاتے ہیں یہ معیار تمام ممالک کی ارضی سالمیت اور حاکمیت کے ضامن ہیں۔

ایران انقلاب اسلامی کے بعد ناوابستہ تحریک کے اہداف اور اصولوں کے مطابق لاشرقیہ ولا غربیہ کی پالیسی پر گامزن ہے اور ملک کے اندر اور باہر امن وصلح کے سلسلے میں اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے۔

ایران نے شام اور عراق میں دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے سلسلے میں ہمسایہ ممالک کی درخواستوں پر ان کی مدد کی، ایران باہمی احترام کی بنیاد پر تمام علاقائی اور عالمی ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات اور بہتر تعاون کا خواہاں ہے۔

ناوابستہ تحرک کے بعض رکن ممالک عالمی سامراجی طاقتوں کے ہمراہ ناوابستہ تحریک کے بعض دوسرے رکن ممالک کے لئے مشکلات کا سبب بنے ہوئے ہیں شام، عراق، یمن، لیبیا اور بحرین کے عوام شدید مشکلات سے دوچار ہیں، عالمی سامراجی طاقتوں اور ان کے اتحادیوں نے ان کے لئے شدید مشکلات پیدا کی ہیں اور سامراجی طاقتوں نے مذکورہ ممالک کے کئی ملین انسانوں کی زندگیوں کو تباہ وبرباد کردیا ہے۔

★★★★★